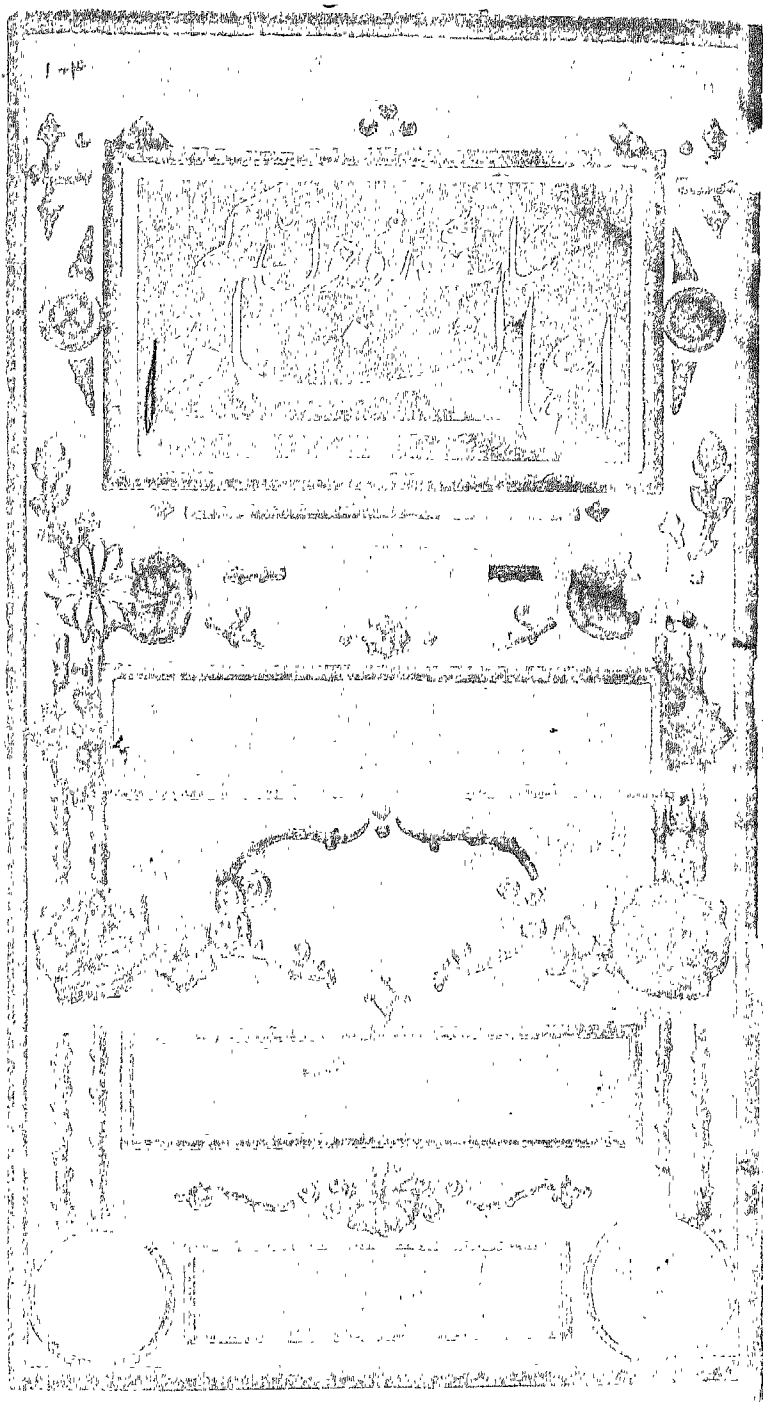


U31911

27-11-09

Title - Saat Fashon Ke Aimaal Naame
Creator - Rashid Al Khairi
Publisher - Ismat Book Agency (Delhi)
Date - Not Available
Pages - 44
Subjects - Urdu Novel.



یادگار مصور محمد حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

رسالہ عصمت

ہندوستان بھر کے تمام زمانہ اخبارات و رسائل میں سب سے اچھا اور سب سے زیادہ پھپھنے والا مشہور و معروف بال تصویر یا ہوار رسالہ ۱۴ سال سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ عصمت ہندوستان کے مشہور ادیبوں اور ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین کے اعلیٰ درجہ کے مضامین ۸۰ صفحات پر ہر ماہ شائع کرتا ہے۔ عصمت ہی وہ رسالہ ہے جو صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے شریف بیگمات کے لئے ہندوستان کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے۔

سالانہ چند لاکھ چار روپے (لکھ)

جوہر نسوان دہلی

فخر نسوان ہند حضرتہ خاتون اکرم کی یادگار
ہندوستان بھر میں زمانہ و سنگاری کا واحد رسالہ
جس میں کشیدہ، کرد و شیا، جالی، تار کشی، کاری، کپڑے
کر آس، سٹیم، سنگہ شہار، رتین پتی، کٹاؤ اور کپڑوں کی
سلانی، کٹائی وغیرہ مختلف قسم کی زمانہ و سنگاریوں
عمدہ عمدہ نمونے اور مفصل ترکیبیں اور کارآمد
ہدایتیں شائع ہوتی ہیں جوہر نسوان کے
مضامین پچھو پڑھ کر کیوں کو بھی مسکند اور ہنسنند
بنادیتے ہیں، جوہر نسوان کی قلمی معاونین
ہندوستان کی مشہور دستکار خاتون ہیں۔
سالانہ چند لاکھ مع محصول علی فی پرچہ ۴

رسالہ نبات دہلی

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ نے
۱۹۲۴ء میں یہ ہوار رسالہ مسلمان لڑکیوں کے
لئے جاری فرمایا تھا اس سال میں اس کا کسی
ایک ماہ کا پرچہ بھی ایک دن کی تاخیر سے شائع
نہیں ہوا۔ عصمت کی طرح نبات بھی پابند
وقت ہے۔ لڑکیوں اور بچوں کے لئے بہترین
مضامین سبق آموز لکھیں۔ مزید کہانیاں
شائع کرتا ہے۔ زبان اتنی آسان کہ گیارہ
برس تک کی بچیاں سمجھ سکتی ہیں۔

سالانہ چند لاکھ روپیہ
نمودہ مفت

مینجہ عصمت و نبات دہلی

مجلد دوم جوہر نسوان دہلی



ایک شیطان کی مغفرت

سات راتوں کے اعمالنامے

۳۱۵۱

RE-ACCESSIONED

(۱)

حصیرۃ اللیل یعنی وہ ایک خاص رات جس میں چند لمحہ کے واسطے رب الٰہ تعالیٰ کا پرورش کرنے والا مادہ جس پر خدائے وہر کا اطلاق ممکن ہے) خلائے آسمانی میں ظہور کرتا ہے، اجرام فلکی کے سرور تخی، اور یہی ہے وہ رات جس کی ایک ساعت قانون قدرت کے قطعاً خلاف ہر سو سال کے بعد اپنی حرکت بند کرتی ہے، تخرک شہش جذب، گردش ہر طاقت مفقود ہو کر محض اس مجموعہ کے تابع ہو جاتی ہے جس کا وجود واقعہ میں اور یہی وہ وقت ہے جو عقائد و دھرمیں خاتمہ و بنایا قیامت کا باعث ہو گا۔ آسمانی دنیا پر سکون مطلق طاری تھا۔ تاروں کی جماعت جو اس وقت میلوں کے فاصلہ پر منتشر دکھائی دیتی ہے، صف بستہ و متصل خاموش و سرنگوں تھی۔ ہوا کا گز مطلق نہ تھا۔ آبشار تھم چکے تھے۔ پہاڑوں پر سناٹا تھا مگر چاند و ہری فرشتوں کی زندگی کے لئے کچھ کسیجن پہنچا رہا تھا۔ دفعۃً نیکی کسی رگڑ یا اتصال کے ایک شعلہ چمکا۔ کائنات لرز گئی۔ چاند تھرا گیا، تاروں کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک گئے۔ پہاڑ گڑ گڑا اٹھے۔ پانی میں تہلکہ مچ گیا۔ اور ایک متفقہ آواز بلند ہوئی۔

CHECKED 2004

پاک، بلند، پرورش کرنے والے

ہوم، ڈروم، سرکس

یہی رب الایقہم کا وجود تھا، جلال، قدرت اور تمکنت شاہنشاہی کو ظاہر کر نیوالے دو قہقہے اس شعلہ سے نکلے اس اطمینان پر یہ تمام مخلوق جس کا خون خشک ہو رہا تھا خوشی سے اچھل پڑی اور سوائے ایک چاند کے جس کا نام مہرقان تھا سب سمجھے میں گر پڑے۔

ہولم، ڈرولم، سر یوس

شعلہ کی حرارت تیز ہوئی، غضب ناک چنگاریاں اڑنے لگیں، قریب کا بڑا حصہ جھکناک سیاہ ہو گیا، اور وہ تمام قرات، جو سرور و شاد کام تھے اس فوری تغیر سے متاثر ہو کر دم بخود رہ گئے۔ غضب الہی لمحہ بہ لمحہ زیادہ ہوا۔ چنگاریاں خوفناک انگارے بن گئیں، اور ایک ایسی دہشت ناک آواز برآمد ہوئی کہ ہر ذرہ دہل گیا۔

کر لسی، پیکر لو..... تا فرمان مہرقان

شعلہ فرو ہو گیا، مگر ملائکہ دہر کا دار و صفہ تند و تیز آنکھوں سے طیش میں بھرا مہرقان کی طرف گیا۔ ایک زبردست جھٹکے میں اس کو اپنے سامنے گرا لیا اور حکم دیا۔
”ہمارے رب کے نافرمانی کرنے والے، کینے رذیل و ذلیل مخلوق! اٹھ اور اپنی غلطی کی سزا بھگتنے کے واسطے رب الایقہم کے حضور میں حاضر ہو۔“

مہرقان کی تمام قوتیں سلب کر لی گئیں، زبردست زنجیریں اس کے پاؤں میں ڈال دیں اور ہر طرف سے اس پر نفوس و ملامت کے نعرے بلند ہونے لگے۔

زیر لو

زیر لو

زیر لو

لعنت

لعنت

لعنت

دار و صفہ اس مجسمہ ملعونہ کو دو انگلیوں میں لیکر فضائے آسمانی میں اڑا۔ ایک مقام

پر چل کر ٹھکرا اور کہا۔

”بہت ممکن ہے کہ تیری ہستی رب الایقہم کی ایک ہی پھنکا ر سے فنا کستر ہو جائے۔“

اس لئے کہ تو ہرگز ہرگز کسی ہمدردی و رحم کا مستحق نہیں۔ مگر اس لئے کہ تو بچہ ہے،
میں تیری سفارش پر آمادہ ہوں۔ گناہ کا ارتکاب تجھ سے ہو چکا۔ اس سے انکار
اور بالخصوص ایک جلیل القدر مالک کے سامنے غلطی ہے۔ عفو و قصور کی خواہش کر
شاید سزا کی حد خفیف ہو جائے۔“

اتنا کہتے ہی داروغہ نے پھر صرقان کو ہنچہ میں پکڑا، اور اڑا کچھ دوہرا کر وہ
ایسی جگہ پہنچا، جہاں نور کے خوشنما پردے ہوائے آہستہ آہستہ اڑ رہے تھے اور
ہر طرف دہری فرشتوں کی فوج رب الایتھر کے جلو میں حاضر تھی۔ صرقان کے
پہنچتے ہی وہی متفقہ آواز اٹھی۔

زیر لو

زیر لو

زیر لو

لعنت

لعنت

لعنت

یہاں فرش زمین کی بجائے رنگ برنگ پھولوں کا آسمان تھا۔ داروغہ اٹرا اور
صرقان کو کھڑا کر کے کہا۔

”اس نافرمانی کا جو تجھ سے رب الایتھر کے حضور میں سرزد ہوئی تجھ کو کیا بدلہ
لانا چاہیئے۔ گو تو اپنے قصور پر نادم ہے مگر کوئی وجہ نہیں کہ سزا سے محفوظ رہے۔“
ٹھنڈی ہوائ کے ایک جھونکے نے آسمان کی زمین کو جو چین عروس تھی، سطر کر دیا
اور ملائکہ دہری جو رب الایتھر کے رازوں سے واقف تھے نافرمان صرقان پر بہ آواز
بلند نعرہ زن کرنے لگے۔

کچھ دیر غور و تأمل کے بن صرقان نے اپنی آنکھیں جو غور و خوض میں مصروف
تھیں بلند کیں۔ ہر طرف نگاہ دوڑائی، اور نہایت دلیری سے کہا۔

”یقیناً میں کسی جہم کا مرتکب نہیں ہوں۔ میں نے بچپن میں ہمیشہ اپنی ماں سے،
لڑکپن میں باپا اپنے دوستوں سے، اور اب جوانی میں شب و روز اپنے ہم منصب

اس مخلوق کا مفتح کہ سنا جو ہمارے رب الایتمہ کو فوق الفطرت طاقت سے انہی و
ابدی بادشاہ رب العالمین اور ان داتا خیال کرتی ہے۔ ہیں جس حال میں اُس گل کا
جو رب الایتمہ سے تعبیر کیا جاتا ہے ایک جڑ وہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ میں اس کی پرستش کروں
”سولیمو، سٹرکیو“

کرو جو کر سکتے ہو

”گنہگار، بد بخت، نمک حرام!
لے جاؤ سامنے سے فارت کرو..... پھینک دو“

(۲)

دورخ کے ایک ادنیٰ طبقہ میں صرقان یا بچلاں مقید ہے اور اس وقت کا منتظر ہے
جب آفتاب برج ثور میں پہنچے کیونکہ یہی وقت اس کے فیصلہ کا مقرر ہوا ہے۔ اس کے
ہم جنس دوسرے چاند اور چھوٹی قوم تارے۔ نیز ملائکہ دہری باوجود متفرک اس کی تکلیف سے
متاثر ہیں۔ مگر اول تو کسی کو اپنے فرض منصبی کی ادائیگی سے اتنی فرصت نہیں ہو کہ اس
بات کرے۔ دوسرے پہاڑوں کے زیر دست پہرے میں کس کی مجال غمی کہ پہر مار سکتا ایک
دن آدھی رات کے وقت جب قمر کلاں بساط دنیا پر اچھی طرح جگہ گارہا تھا، طبقہ دورخ کے
”سب پر اکڑ“ نے صرقان کو باہر نکالا اور یہ حکم سنا دیا۔

”اس نافرمانی کی پاداش یہ ہے جو تجھ سے رب الایتمہ کے حضور میں سرزد ہوئی۔

تو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے آسمانی دنیا سے محروم کیا جاتا ہے“

صرقان نے نہایت استقلال سے یہ فیصلہ سنا، مخلوق آسمانی میں قریب قریب تنفس کو اس سے ٹھوڑی
بہت محبت تھی اور اس لئے ہم غیہ اس فیصلے کے واسطے ”دورخ“ کے کہ پوٹڈ میں جمع تھا، حکم سننے پر
سکتے ہیں گئے اور ”ایتمہ“ کے ”چیف سکرٹری“ کی اجازت سے یہ تجو ہوئی کہ ایک لوداعی ڈنٹر ہفتا
کوکل دہرہ سوسائٹی کی طرف سے دیا جائے۔ اس اور انٹرنیٹنگ“ میں شاہ بلوط اور زیتون کے

سر سبز شامیانے چاروں طرف نصب کئے گئے، لٹی اور صندوق کے پھولوں سے اوڈینس کی نشست گاہ آراستہ کی گئی۔ ایک خاص حصہ لیڈریناف سکائی یعنی حوروں کے واسطے مخصوص کر دیا گیا، جلسہ کا وقت آیا تو لاکھوں قسم کے چاندنا سے، ہزاروں وہری فرشتے اور عوریں اکٹری جمع ہوئے۔ سب سے پہلے پریسیڈنٹ کے انتخاب میں اختلاف رائے ہوا۔

زیادہ تر ووٹس قمرکلاں کے فیور میں تھے، مگر بحث یہ تھی کہ جب پیرا اصرقان ہم سے جدا ہو کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور یہ میٹنگ اسی کے آخر میں ہے تو صرف اس لئے کہ زمینی دنیا کی جنس لطیف عورت ہے، پریسیڈنٹ کوئی حور ہونی چاہیئے۔ اس بات کے ربا پر آتے ہی حاضرین اسی طرف کو جھک گئے اور کثرت رائے سے ایک حور کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئی۔

مہرقان کے دوستوں، عزیزوں اور ہم جنسوں نے اپنے اپنے رنج و غم کا اظہار کر کے مہرقان کو الوداع کہا اور جب یہ رنج و غم کی اسپرچیں ختم ہو گئیں تو پریسیڈنٹ اڈریس اس طرح سے شروع ہوا۔

”ہم اپنے نوجوان دوست مہرقان کو گو اس لحاظ سے ہمہ روی کا سختی سمجھیں کہ انہوں نے ہمارے خالق الموجودات کی نافرمانی کی۔ مگر ہم کو یقین کامل ہے کہ ہمارے محترم مسکریٹری ٹورب الایٹھر، کی عنایت سے ان کی مصیبت کا زمانہ جلد ختم ہو جائیگا۔ میں نے ان سے وعدہ لیا ہے کہ اگر مہرقان انسانی دنیا کا کوئی بہترین تحفہ ہمارے سامنے پیش کرے گا تو یہ اس کے عفو قصور کے سفارشی ہوں گے (چیرز) انہوں نے میری موجودگی میں ملک الموت کو حکم دیدیا ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً وینا میں مہرقان کی تسلی و تشفی کرتے رہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم اپنے مہرقان کو رخصت کریں میں ان سے درخواست کرتی ہوں کہ ہم سب بن جلد دوسری امشیا، کے انسانی دنیا کے اس تعلق سے واقف

ہونے کے ریا وہ مشتاق ہیں۔ جو مرد و عورت، میں قائم ہے اور اگر صرف اسی راز کا پتہ لگا سکے تو وہی ہم ہوں گے اور وہی صفاق اور وہی آسمانی بادشاہت ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ انسان، کیوں ہم کو ایک نصبت خیال کرتا ہے اور مزخ پار والی ساری عروں کا سارا طبقہ اس کے واسطے کیوں ریزہ کر دیا گیا ہے؟

(۳۷)

پہلی اور دوسری روجیں

کوہِ ملسینڈیا کا لامتناہی سلسلہ دور تک چلا جا رہا ہے خود رو پھولوں پر طائرانِ خوش الحان کی چمک اور درختوں پر فاختہ کی کو کو چشم بینا کے واسطے عجیب سبق ہو۔ دریا کی لہریں لہروں کی ترقی و تزلزل کی ابتدا اور انتہا، عروج و انحطاط، ان کا وجود اور فنا، بے ثباتی دنیا کا ہیام پہنچا رہا ہے۔ دامن کوہ میں ایک گاؤں آباد ہے پانچ چہ ہزار جھونپڑیاں بساط زمین کے اس حصہ پر موجود ہیں، یہاں کی تمام مخلوق اپنے مشاغل میں نہمک اور ضرورتاً زندگی کی تکمیل میں مصروف ہو۔ آفتاب غروب ہو چکا۔ پرند اپنے آشیانوں میں رُک رُک کر بیٹھ گئے اور زلفِ شب کمزنک پہنچ گئی۔ رات سائیں سائیں کر رہی تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ اس اندھیرے گھپ میں صفاق کو صرف ایک جھونپڑی میں چراغ ٹمٹاتا دکھائی دیا۔ اندر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک ضعیف العمر انسان ہائے قوم کے نعرے لگا رہا ہے اس کا اضطراب لمحہ بہ لمحہ تیز ہو رہا تھا اور قلب کی حالت اس قدر متغیر ہوتی جاتی تھی کہ وہ دیوانہ وار اسی عالم خیال میں سرگرد کر بیٹھ جاتا تھا۔ چند مسلمان صورتیں اس کے سامنے خاموش تھیں، وہ کبھی وعظ کہتا، کبھی نصیحت کرتا کبھی روتا، اور کبھی ہائے قوم کے نعرے مارتا، لوگوں سے پوچھتا، عزیزوں سے مشورہ لیتا کہ کس طرح قوم اس نکبت و افلاس سے باہر نکلے۔ مرید اس کی گریہ و زاری میں ساتھ تھے رات اس کے سامنے اسی کرب میں صبح ہو گئی اور علی الصبح یہ فدائے قوم اپنے مریدوں کی جماعت کیلئے خلقِ اللہ کی اصلاح کو نکلا، سب سے پہلے وہ

رئیس الدیہ کے مکان پر پہنچا، مطربان خوش الحان موجود، جام و مینا حاضر اور انواع و اقسام کی نعمتیں میسر تھیں، دور چل رہا تھا ضعیف العمر یہ کیفیت دیکھ کر رویا، اور بولا۔
 ”اے شخص اپنی حالت پر رحم کر اور اس اہم الجائز سے توبہ کر، یہ وہ شے جس کا ایک قطرہ اگر دریا میں گر پڑے تو پانی حرام ہو جائے، بدن سے چھو جائے تو کاٹ کر پھینک دینے کا حکم ہے، ڈرنا سے، موت کو بری سمجھ اور یا در کہہ دو نرخ بھی تجھ جیسے پلید سے امان مانگے گی۔ یقیناً تیرا یہ ناپاک جسم جہنم کو بخش کرنے والا ہے۔ ابھی توبہ کا وقت باقی ہے لیکن وہ وقت دور نہیں کہ زبان بند ہو جائے۔ ہاتھ پاؤں کام نہ دیں اور توبہ کا وقت بھی ہاتھ سے نکل جائے۔“

ولن یؤخر الله نفساً اذا جاء اجلها والله خبير بما تعملون

چند روزہ زندگی اور اس عارضی عیش پر پھول کر تو خدا کے احکام کو بھول گیا اور ابدی عذاب گوارا کر لیا۔ نماز، روزہ، جھوٹ، حسد، غیبت، سب کی عذاب کے بعد مغفرت ہو اور نہیں ہے تو شرک اور شراب کی۔ کیوں اپنی عاقبت خراب کرتا ہے اگر اب بھی سچے دل سے توبہ کرے اور آئندہ کے واسطے عہد کرے تو توبہ کا دروازہ کھلا اور اس کی رحمت کا جوش موجود ہے۔ وہ تو ایسی پاک اور بے نیاز ذات ہے۔ کہ تیرے ستر جھکانے کی دیر ہی تو ایک بالشت سبقت کرے وہ ایک گز آگے بڑھے۔
 خدا کے رحم و کرم اور اپنے اعمال و افعال کا خیال آتے ہی رئیس الدیہ بہ کا نشہ ہرن ہو گیا، آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور عذاب آخرت اس کے سامنے نمودار ہو گیا۔ چیخیں مار کر روتا رہا۔ ہر چہ قلب کو تسکین دیتا تھا مگر کسی طرح صبر نہ آتا تھا۔ کچھ ایسا خدا کا خوف اس کے دل پر بیٹھا کہ اسی طرح چیخیں مارتا مارتا مر گیا۔

صرفان نے اس رئیس کی روح اپنے ہاتھ میں لی اور خیال کیا کہ میں ایک ادنیٰ سی نافرمانی پر اس قدر سزا کا مستوجب ٹھیکر لیکن یہ شخص جو مسلمان ہے اور جس کا

خدا پریشان کرنا فرض ہے۔ اس کی تمام عمر نافرمانی میں بسر ہوئی۔ اس سے کیا توقع انگیزشے آسانی دنیا پر اور کیا ہوسکتی ہو۔ ٹھوڑی دیر آگے بڑھا تھا کہ ایک مکان سے روئے پیشنے کی آواز آئی۔ یہ بھی اپنی نوعیت میں مرتقان کے واسطے انوکھا سماں تھا۔ اندر پہنچا وہی ضعیف العمر مولیٰ نام دم توڑ رہے تھے۔ مرید روتے تھے اور دیواروں سے ٹکریں مارتے تھے۔ مرتقان بڑے میاں کی عظمت اور ان کی ہمدردی کا پہلے ہی قائل ہو چکا تھا۔ دہرائن کی روح جسد خاکی سے علاحدہ ہوئی۔ اوپر مرتقان نے دوسرے ہاتھ میں اس کو بھی لیا اور روانہ ہوا۔

اس سے پہلے مرتقان کو اس خدمت کے انجام دینے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ اب یہ پہلا موقع تھا کہ ایک چھوٹا دودروہیں مرتقان کی ٹمکیوں میں تھیں۔ خدا معلوم ان کو چڑیاں سمجھا یا اسپرٹ خیال کیا کہ کہیں اڑ نہ جائیں اور بیٹھے بٹھائے مفت کی ندامت حاصل ہو۔ چاروں طرف دیکھا۔ سبھی ایک بدہشی رکھی ہوئی تھی۔ ٹونٹی میں ڈانٹ لگا دو نو روہیں اس میں بند کر لیں اور منہ پر چھٹی ڈھک دی۔

رئیس کی روح بڑے میاں کی تنومند روح کو دیکھ کر ہسم گئی۔ الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی۔ بڑے میاں کی روح نے ادبی سے زیادہ جگہ پسندے میں گھیر رکھی تھی۔ رئیس کی روح کو جو مرتقان نے اوپر سے چھوڑا تو دہڑے موٹی روح پر اس طرح جا پڑی جیسے تریز پر زارنگی۔ موٹی روح تاڑ تو فوراً گئی مگر ایک ایسی غضب ناک نگاہ سے دیکھا کہ دُہلی روح تھڑا اٹھی۔

موٹی روح: ”تو ندامت ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ کوئی دوسرا بھی بیٹھا ہے یا نہیں؟“

دُہلی روح: ”مجھے خبر نہ تھی شہ معاف کیجئے“

موٹی روح: ”اب سب خبر تھے۔ ورنہ میں ہو جائے گی؟“

دُہلی روح: ”کیا خیاب کا بھی انتقال ہو گیا؟“

موٹی روح بہشت، اُلُوہم کہیں مہر کرتے ہیں، تجھے دوزخ تک پہنچا کر پیٹے آئیں سگوبہ
دُہلی روح ”تو جناب میرے ساتھ مُردوں کی طرح کیوں بند ہیں؟“

موٹی روح ”اب بتاؤں کیوں بند ہیں؟ ہماری بات کا یقین نہیں کرتا ابے ہم جھوٹے
ہیں؟ اس لئے کہ تو بھاگ نہ جا سکے چل پاؤں دیا اور رستے پھر ہماری خدمت کرنا چاہتا ہے
دُہلی روح ”اگر جناب.....“

موٹی روح ”ابے کیا باک رہا ہے، جناب، جناب آگے تو کہہ کیا کہتا ہے؟“
دُہلی روح ”اگر جناب.....“

موٹی روح ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ کیا بد تمیز شخص ہے، آگے تو
باک کیا کہتا ہے؟“

دُہلی روح ”اگر جناب.....“
موٹی روح ”اب کے ایسا تھپڑ دوں گا کہ چہرہ پھر جائے گا۔ ابے مگر بھی بدتمیزی
سے باز نہیں آتا۔ اگر جناب۔ اگر جناب۔ اے کے جاتا ہے، اگر جناب..... کیا شرب
پلا دوں، کیا کروں؟“

دُہلی روح ”جی نہیں تو بہ، تو بہ، صرف اس قدر عرض کرتا ہوں، کہ اگر
جناب.....“

دُہلی روح کا یہ کہنا تھا کہ موٹی روح نے اس زور سے دُہلی روح کے ٹکڑی کر
کروٹ میں جا کر گری۔ ہرقان اپنی دُھن میں مست، بدہنی ہتیلی پر لئے چلے جا رہے
تھے کہ بدہنی کو جنبش ہوئی اور ساتھ ہی بدہنی تڑ سے زمین میں گرے ہی چاڑھ کرے!
اور دو نور و حیں جہر جس کا مُنہ اُٹھا سیب صی ہوئیں!

اب تو مصقان کی جان نکل گئی۔ کہ یہ خواہ مخواہ کیا مصیبت آئی! پہلے تو دونوں
کو ڈانٹا کہ ٹھہر جاؤ آگے نہ بڑھنا۔ مگر اسے کیا معلوم کہ انسان اشرف المخلوقات

ہے جب ایک بھی نہ ٹھہری، تو بے تحاشا لپکا۔ مگر عجیب ناٹا تھا۔ موٹی کی طرف دوڑتا تھا تو دُوبلی غائب، اور دُوبلی کو پکڑتا تھا تو موٹی نہ رہا، آخر دُوبلی کو چھوڑ موٹی کے پیچھے ہولیا۔ روح کی طاقت پر وادگنتی ہی تیز ہو مگر صرقان بھی آدمی نہ تھا، جادو بوجھا پھٹا تھا کہ پکڑے مگر بڑے میاں بھی افسی تھے۔ یہیں سے ہر تول کر پیچھے ہولے۔ آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے صرقان، سطح زمین کے قریب پہنچ کر بڑے میاں کتنی کاٹ پھر اوپر اور صرقان دھم سے زمین میں اچوٹ بھی خاصی لگی اور جلا بھی خوب۔ مگر بڑے میاں کہیں کے کہیں پہنچ چکے تھے۔ کمر جھاڑ جھوڑ اٹھا اور پھر لپکا۔ مگر تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ سامنے پہاڑ آیا اور موٹی روح بالکل ہی غائب ہو گئی، سر پکڑ کر چوٹی پر بیٹھ گیا۔ نہ موٹی رہی نہ دُوبلی۔ رہ گئے تو فقط صرقان! آدھی رات کا سہناں وقت اور بد نصیب صرقان اپنی تقدیر پر رو رہا تھا اور ہر سے ”ملک الموت“ بھی آن پہنچے اور صرقان کو خالی دیکھ، سلام نہ دعا، چھوڑتے ہی کہنے لگے۔

”روحیں کہاں ہیں؟“

صرقان دسر کھاکر ”روحیں..... موجود ہیں۔“

ملک الموت ”موجود ہیں، کہاں ہیں؟“

صرقان ”..... دیتا ہوں؟“

ملک الموت ”تو کیا جیب میں ہیں یا کھو دیں؟“

صرقان.....

ملک الموت ”ارے کم بخت بول تو سہی اڑ گئیں؟“

صرقان.....

ملک الموت ”اجی حضرت میاں صرقان صاحب فرمائیے تو سہی کیا گزری؟“

صرقان ”کیا عرض کروں بھی ہاں اڑ گئیں۔“

اتنا سننے ہی ملک الموت کو سناٹے میں رہ گئے اور دونوں کی تلاش میں روانہ ہوئے۔
 دُوبلی بچاری تو اپنے گھر کے کھٹے پھنچکی بیٹھی ہاتھ آگئی۔ مگر موٹی کا کہیں پتہ نہ چلتا تھا مگر
 ملک الموت کیا چھوڑنے والے تھے۔ آٹھ دن کے بعد دیکھا تو ایک بکری کے تھن سے
 بڑے میاں چھڑی کی طرح پلٹے ہوئے ہیں۔ دونوں روحوں ملک الموت کے کراہان
 پر چلے اور ہرقان اُن کے ساتھ۔

انسان پر ملک الموت کو رحم آتے کبھی نہ سنا۔ مگر ہم وطنی بھی عجیب چیز ہے۔ ہرقان
 کی منت سماجت سے ملک الموت نے قریب پہنچ کر دونوں روحوں پھر اُسی کے ہاتھ میں دیدیں
 اور ہرقان نے ہشاش بشاش واروغہ کے پاس پہنچ کر انسانی دنیا کا یہ پیش بہا تھخہ پیش کیا۔
 واروغہ کو پہلے تو بہت ہنسی آئی اور پھر کہا۔

”مترقان تجھ کو سخت مضابطہ ہوا۔ تو نے ابھی انسان کو ذرہ بھر بھی نہ پہچانا۔ تو جس
 نتیجہ پر پہنچا، وہ قطعی غلط ہے۔ انسانی دنیا کا واسطہ براہ راست رب الموجودات
 سے ہے اور وہ دربار ہم سے بڑا اور وہاں کے حالات ہم سے بالکل مختلف ہیں۔
 چل میرے ساتھ چل اور ان دونوں کے حالات سن۔“

واروغہ نے ہرقان اور دونوں روحوں اُدھر پہنچیں تو ان دونوں کے اعمالنامے
 کی جانچ پڑتال ہو رہی تھی۔ پہلے مولینا کی سوانح عمری اس طرح پڑھی گئی۔

پہلی روح

”یہ گنہگار روح اس ظالم شخص کی ہے جس نے ہادی بن کر خلق اللہ کو گمراہ کیا۔ اس
 کی ہمدردی بھبھکی، اس کا خلد ص لغو، اس کی محبت دھوکا۔ اس کا رونا کمر اور اس کا
 جتہ و عمامہ فریب تھا۔ ان تمام باتوں کی تہہ میں شہرت اس کا مقصود اور جب جاہ اس کی
 غرض تھی۔ اس نے نہایت بیدردی سے محض اپنے نفس کے واسطے غریبوں کے گلے
 کاٹے، مسجدوں، مدرسوں، یتیموں اور راندوں کے نام سے دوسروں کا روپیہ اُڑایا اور

کی جائداد خدا میں ملا کر اپنے مکان بنوائے۔ ہمیشہ غیوب کی تلاش اور برائیوں کی پرچول
اس کا وظیفہ رہا۔ اس نے سنت رسول کے نام سے عمر بھر نکاح کئے اور اس کی زندگی کا
صبحے بدتر کا زمانہ جو آخری عمر میں اس کے سیاہ داس پر کلنگ کا ٹپکہ ہے اس طرح شروع ہوا
صبح کی جھوٹی نماز سے فارغ ہو کر یہ کم سخت ایک روز صحن مسجد میں اس توقع پر پہل رہا
تھا کہ کوئی نیا فکار اگر پھنسے کہ دفعۃً ایک حسین عورت آتی ہوئی دکھائی دی نہ نصیب
تھی مگر غفلت، پریشان تھی لیکن سچی۔ انتہائے مصائب نے اس کے فزاج میں توحش
پیدا کر دیا تھا اور غارت جیب قریب تھا کہ اس کی دیوانگی کا باعث ہو جائے۔
مقبول زمین کی پیٹی تھی، مگر نقدیر کی میٹھی۔ شوہر کی موت نے آنکھوں میں دنیا انہیر
کر دی تھی۔ دن کا بڑا حصہ مطالعہ کائنات اور بات کا اکثر وقت یاد دلاریں بسر کرتی
پہلوں غیور دل اور دماغ میں نفیس خیالات موجود تھے، سمجھتی تھی کہ یہ تعلقات فانی۔
پہنچتی ناپائیدار اور مجتہد جھوٹی ہے۔ مگر انسان تھی، قلب مضطرب میں ماوہ
احد اس موجود تھا اور شوہر چھوڑ کے خیال کا پاس لازمی۔ زندگی کی کہن متر لیں اور
جوانی کا پیرا شوب زمانہ آنکھ کے سامنے تھا۔ کچا سا تھ تھا اور گوزر و جواہر کی کمی نہ تھی
مگر ایک محصوم پتے کے سوا کوئی والی وارث نہ تھا۔ ڈرتی تھی کہ کہیں قدم نہ ڈگمگا
جائے اور میدان حشر کی اس گھڑی میں جھٹ شوہر سے آمناسا منا ہو شرمندہ کھڑی
ہوں۔ آنکھ لگ جاتی تو ان ہی تفکرات میں سوتی، اور اٹھ بیٹھتی تو ان ہی خیالات میں مہنک
رہتی ساری ساری رات اور پوٹے پورے دن خوفِ خدا سے حقارتی، لہرتی
کا پتی جیب دل کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو قصد کیا کہ بچہ کو ساتھ لوں اور بیت اللہ
چلی جاؤں، مکہ معظمہ کو کسی میدان میر اسکن۔ اور مہینہ منور کا کی مقدس گلیاں
میر نشہ من ہو گا۔ شوہر کا خیال میرالال میر سے پاس ہو گا۔ اللہ اللہ کروں گی اور
اس وقت کی منتظر رہوں گی جیب شوہر کی اس امانت کو کیلجے کے ٹکڑے سے

کو زندہ چھوڑ کر خدا کے حضور میں حاضر ہو کر اپنے محبوب سے ملوں۔ بچہ کو یکلیج سے لگائے ان ہی خیالات میں غلطیاں پچاں صبح سے شام تک جنگلوں میں ماری ماری پھرتی۔ خدا کی شان تھی جس بنی بنی کے گھر پر ہاتھی جھوم رہے تھے۔ کڑاڑا تے جاڑوں میں آفتاب اس کے جسم کو سردی سے محفوظ کرتا۔ غروب آفتاب کے بعد رات کو آتی اور مجلس کے کسی گوشہ میں پڑھتی۔ موذن اذان دیتا۔ چڑیاں غلوئی خدا کو صبح کا پیام پہنچاتیں۔ اور اچھی بیوی کی یہ سچی تصویر دولت و جواہرات پر لات مار اپنی بیش بہا دولت کو گود میں لے نکل کھڑی ہوتی۔ ایک روز اس کا گزرا اتفاق سے اس طرف ہوا۔ ظالم مولانا مدت سے تاک میں تھا۔ دیکھتے ہی منہ میں پانی بھر آیا۔ دیوانہ وار لپکا اور سلام علیک و رحمتہ اللہ وبرکاتہ کہہ کر سید میں سے آیا۔ کیسا نازک وقت تھا کہ ایک طبع دنیا کا بندہ حرص اور دولت میں اندھا ایک بھولی بد نصیب لڑکی کو شیشہ میں اتار رہا تھا۔ جانتا تھا کہ اگر لڑکا زندہ رہا تو میرا فسوں بیکار ہو گا۔ حصول مقصد کے تمام ذرائع بنا کر جب سنگدل اس مضمون پر پہنچا تو آسمان کے تمام فرشتے تھراٹھے۔ ”خدا نے اپنے پاک بندوں پر محض ان کی آزمائش کے واسطے مصیبتیں نازل کیں رسول اللہؐ نے ہمیشہ فاقے کئے۔ حضرت یعقوب سے یوسف کو بچھڑا کر اندھا کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو مژدہ کے ہاتھوں آگ میں پھکدایا۔ حضرت اسماعیلؑ کو پیدا ہوتے ہی لٹ و دق میدان میں بے آب و دانہ چھوڑ دیا۔ حضرت ایوبؑ کے تمام جسم میں کیر طے ڈال دیئے اور حضرت ابراہیمؑ سے اسماعیلؑ کو نوح کر دیا۔ یہی پیغمبری کی اصلی نشانیاں ہیں۔ اور اگر تو خدا کی مرضی حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس بچے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر اور خدا پر قربان کر دے“

ذبح کا نام آتے ہی مانتا کی ماری ماں نے بچہ کو جو یکلیج سے دودھ پنی رہا تھا زور سے بھینچ کر چٹا لیا اور ششدر مولانا کی صورت دیکھنے لگی۔

مولانا! اگر بہت ہے تو بسم اللہ کر میں تیرا ہاتھ بٹاؤں گا۔ خدا کی رضا مندی آسان نہیں ہے۔ دنیا داروں کے واسطے یہ مصیبت ہے۔ مگر اس کی تہ میں ابدی بارغ اور خوشیاں ہیں۔ شوہر بھی لے، بچہ بھی لے اور ہمیشہ ہمیشہ کو چین کر۔ عورت! آپ عالم ہیں۔ تمام غم آپ کا مرید ہے۔ آپ فرماتے ہیں دست ہے۔ مگر میرا دل نہیں مانتا جس طرح گذرے گی گذاروں گی۔

مولانا! بیکوں تم لوگ دنیا کے جھوٹے ڈکوسلوں میں پھنستے ہو اور خدا کو بھول کر ابدی عذاب مول لیتے ہو۔ وہ عذاب جس سے چھٹکارا نہیں۔ وہ مصیبت جس کا فائدہ نہیں اور وہ تکلیف جس کا علاج نہیں۔ اگر یہ بچہ خود خدا نے لے لیا تو کیا کرے گی۔ جب اس کی موت اس کے اختیار میں ہے تو خود ہی کیوں نہ حاضر کر دے۔ کہ دونوں جہان میں عزت آبرو سے بسر کرے اور آسمان کی تمام رو میں تیرے استقبال کو جمع ہوں۔

عورت! (خاموش)

مولانا! لا! بچہ مجھے دے، اور خدا کی قدرت دیکھ۔

عورت کے ہوش و حواس غائب تھے، گو خدا کی رضا مندی اس کو اس زبردست قربانی پر آمادہ کرتی تھی مگر جب بچہ کی محبت کا جوش آتا تھا تو بیتاب ہو جاتی تھی۔ آخر انہوں نے چند لمحہ کی مہانت مانگی، حجرہ میں گئی بچہ کو لٹا کر پیار کیا اس کے خشمے خشمے ہاتھ اپنے گلے میں ڈالے اور کہنے لگی یہ نہیں نہیں یہ کس دل سے ہے اپنے بچہ کو فروغ کر دو دل! ”ہائے اس خیال سے میرا کلیجہ ٹکلا جا رہا ہے۔“

حسرتا نصیب بچہ مشر مشراں کی صورت پر ٹٹکی لگا ہے دیکھ رہا تھا اور اس محمدم کی نگاہیں ماں سے اتجا کر رہی تھیں کہ مجھ کو ظالم کے ظلم سے بچا کلیجہ چٹا ہے باہر آئی اور رو کر کہا۔

”حضور نہیں“

مولانا ”اریٰ بن نصیب“ تجھ کو صرف شیطان بہکا رہا ہے جس طرح حضرت ابوبٹا کہ بہکا یا تھا۔ تین دفعہ جلد لاجول پڑھا اور پتہ مجھے دے مولانا نے زبردستی پتہ گھسیٹ لیا۔ پتہ رویا تو مانتا کی ماری ماں کا کلیجہ نکل پڑا، بیقرار ہوئی آئی۔ پیار کیا لینا چاہتی تھی۔ مگر ظالم مولانا نے تیز چھری نکالی۔

بول اودغا ہا ز انسان ایتنا، کہ کیا گزری ہوگی اس ماں کے دل پر جس کو تو نے جھٹک دیا اور اس کے کلیجے کا ٹکڑا زمین میں ڈال کر اُس کی آنکھوں کے سامنے آہدار چھری اُس کے گلے پر رکھ دی!

مہرقان ہم تمام فرشتے آسمان سے اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے، ہمارے دل معصوم لال پر کٹ گئے مگر اس ظالم کا دل نہ پیچا۔ بن نصیب ماں کی نگاہ اپنے لال کے چہرہ پر تھی وہ اب بالکل ساکت ہو گئی تھی کہ اس شقی القلب نے چھری پھیر دی، خون کا شہرہ زور سے نکلا، مانتا کا جوش اٹھا اور جن چھاتیوں سے دودھ نکلتا تھا اُن سے بھی خون کا فوارہ چھوٹا۔ ایک چیخ مار کر پتہ کی لاش پر گری اور ٹھنڈی ہو گئی!

مہرقان یہ ہے وہ روح جس سے بہتر روح تجھ کو دنیا میں نہ مل سکی؟
اب دوسری روح کے حالات سن، جس کو تو بدترین خیال کر رہا تھا جن اور انسانی خصائل کا اندازہ کر

دوسری روح

اس شخص کی عمر کا قریب قریب تمام حصہ مے خواری اور بے فکری میں بسر ہوا اور وہ چیز جو حرام کر دی گئی تھی اس نے مطلق اس سے پرہیز نہ کیا مگر اس کے دل میں خدا کا خوف ہمیشہ جاگزیں رہا اور خلق اللہ کی خدمت سے اُس نے کبھی پہلو ہٹی نہ کی۔ شام کو جس وقت نوجوان بن حسن کر اور ضعیف العمر اپنی ضرورتوں کے واسطے بازاروں میں نکلتے۔ تو یہ اس تلاش میں پھرتا کہ اس مخلوق کا پتہ لگائے جس پر آنے والی

رات نافتہ کی مصیبت ڈالے گی۔ یہ کیچڑ میں لقمے پھڑے۔ یتیم بچوں کو گود میں اٹھاتا اور ان کے پتے پوچھتا۔ رانڈوں اور ڈکھیاہری عورتوں کے گھر معلوم کرتا اپا بچوں منطوبوں بنے کسوں کے حالات دریافت کرتا اور اسی طرح روزانہ ہر محلہ میں جاتا اور شام تک رہتا۔ رات کو جب خدرا کی دی ہوئی نعمت انواع اور اقسام کے کھانے اس کے سامنے آتے تو ان میں سے تین حصے اٹھا لیتا اور ایک حصہ چھوڑ دیتا۔ یہ تین حصے اور روپے پیسے کی پڑیاں لے کر ان دروازوں اور گھروں پر پہنچتا جن کا حال معلوم کر چکا ہے۔ وہاں جا کر ان منطوبوں کے ساتھ رونا اور منت سے جو کچھ پاس ہوتا پیش کرتا۔ یتیموں روزانہ اس کے ہاتھ سے پیٹ بھرتے اور بہت سی رانڈیں اس کی بدولت اطمینان سے سوئیں اپانچ اس کے نام پر عاشق اور بیمار و ناتوان سچے دل سے اس کو دعائیں دیتے، رات کو یہ شخص اپنے گھر پر آکر کھانا کھاتا، شہراب پیتا اور اسی حالت میں روتا گڑ گڑاتا سجدہ میں گر پڑتا۔ اس کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے۔

ایک روز اسی طرح رات کو یہ شخص اپنے گھر واپس آیا تھا کہ ایک ٹوٹے ہوئے مکان میں سے اس نے رونے کی آواز سنی۔ آسمان ابرا کو دہی نہیں بارش خاصی ہو رہی تھی بجلی تھم تھم کر اور بال دل ٹک ٹک کر چمک اور گرج رہے تھے۔ مکان کا صرف ایک کواٹھا اور ہوا کی شدت سے اس کی دھڑ دھڑ ایک بیوہ عورت کا جو اپنی پانچ برس کی بچی کو لئے بیٹھی تھی، کلیجہ دہلا رہی تھی۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور قریب قریب بساط دنیا کا ہنر نفس نیند کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ مگر جاگ رہی تھیں تو یہ دو ماہیٹیاں جن کے سر پر کوئی وارث تو درکنار دنیا میں کوئی اتنا نہ تھا کہ ان کے حال پر دو آنسو گرا لے۔ لڑکی بچہ تھی ماں کا دل اس وقت ہوا ہو رہا تھا، اور ڈر کے مارے جان نکلی جاتی تھی۔ ایک کواٹر وہ بھی

بے کنڈی کا، ڈرتی تھی، گھبراتی تھی۔ ترپتی تھی اور روتی تھی۔ سہم سہم کر صحن میں آجاتی تھی۔ ذرا سا کھٹکا ہوتا تو کلیہ بلیوں اُچھلنے لگتا۔ یہ شخص کچھ دیر وہاں ٹھہرا رہا اور جب بچتی کی گریہ وزاری کسی طرح ختم نہ ہوئی تو اُس نے دل کڑا کرے باواز بلند کہا۔

”دروازہ پر تشریف لائے“

اتنا سنتے ہی عورت کی جان کل گئی، وہ تھر تھر کا پنپنے لگی، اور اڑکھ اڑکھ پوچھا ”کون ہے“

شخص بڑا ایک لمحہ کے واسطے یہاں آئے“

عورت کی روح فنا ہو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ خدائے پاک کی ذات کے سوا اس وقت دنیا والوں میں سے کوئی ایسا نہیں جو جھکے اس ظالم سے بچ سکے۔ نہ معلوم کون ہے۔ چور ہے۔ ڈاکو ہے کیوں آیا ہے کیا غرض ہے۔ حملہ کے آدمیوں کو بچ کر آواز دی۔ مگر رات کا وقت بارش موسلا دبا، کون سنتا تھا اور کیا ہو سکتا تھا۔ مجبور دروازے تک آئی، اور کہا کون ہے۔ کیا ہے۔“

شخص ”اگر اس گھر میں کوئی مرد نہیں ہے تو میں تمہارا بھائی ہوں۔ ایک بچہ اتنی دیر سے رو رہا ہے۔ اگر یہ میرا فانی جسم جو ایک روز اس قابل ہو جائیگا تو کیسے کھائیں اس بچہ کو کچھ درد دے سکے۔ میرے ہاتھ پاؤں اگر اس معصوم کے ڈکھ کو رفع کر سکیں اور میں روسیہ گنہگار تمہارے کچھ کام آسکوں، تو اسے بہن! جھکو حکم دے کہ میں تعمیل کروں میں چور نہیں ہوں دل ہراساں نہ کرو۔ بد معاش نہیں ہوں مطمئن رہو۔ خدا کی نافرمانی کے واسطے زندہ ہوں۔ اگر تم مجھ سے گھٹنا دہو لو تو مجھ سے زیادہ خوش نصیب شخص کون ہو گا“

عورت ششدر رہ گئی کہ یہ کون شخص ہے اور یہ کیا کہہ رہا ہے۔ مینہ زور سے

پڑ رہا تھا اور دونوں کھڑے بھیگ رہے تھے، کچھ دیر وہ خاموش رہی اور پھر کہا۔
 ”نہیں نہیں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔ آپ کا احسان ہے آپ جاسیے۔“
 عورت کا فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ اندر سے بچی نے نہایت درو سے رو کر کہا۔
 ”اماں میری چوڑیاں لگائیں“

شخص ”آپ میری طرف سے مطمئن رہیں اس وقت دنیا عالم خواب میں ہے
 مگر ایک دیر دست طاقت والا مالک میرے دل کی کیفیت سے واقف اور میری
 حالت کو دیکھ رہا ہے۔ میں اس آدھی رات کے وقت اسی کو گواہ کرتا ہوں کہ میں
 دھوکا نہ دوں گا۔ تم میری بہن ہو۔ جو امکان میں ہے وہ ہو دوں گا۔ خدا را
 یہ بتا دو کہ بچہ کیسی چوڑیاں مانگ رہی ہے۔“

عورت ”ہماری داستان مصیبت تمہارا دل دہلا دے گی بہم تمہاری غایت
 کے شکر گزار ہیں۔ بھائی جاؤ اپنا کام کرو۔ مہینہ پڑ رہا ہے، مفت میں بھیگ رہے
 ہو۔ خدا تم کو خوش رکھے۔“

شخص ”بہن میں نے تم کو ابھی خدا کا واسطہ دیا ہے اور پھر دیتا ہوں کہ مجھ پر
 بھروسہ کرنا اور تمہارے لیے درو میں شریک کرو۔“

عورت ”اگر تم سچے ہو اور مجھ دکھیا رہی بیوہ اور اس یتیم بچی کے بھر داور مجھ
 جیسی عورت کو جو معج مع مصیبتوں کی پوٹ ہے۔ دھوکا نہیں دیتے، تو شوق سے
 اندر آ جاؤ، مگر یاد رکھنا انسانی دنیا مصیبتوں کا پہاڑ ہے پر توڑ چکی ہے اب نئی مصیبت
 تمہارے سامنے میرا خاتمہ کر دے گی۔ اور اس فحشی سی جان کا صبر تمہاری جان پر
 ہو گا۔ آؤ اندر آ جاؤ۔“

عورت نے ایک چادر سر پر اوڑھ لی۔ بٹی کا ایک چراغ ٹٹھا رہا تھا۔ اس شخص
 کے زیا وہ اصل رستے اس نے ایک ٹھنڈا اسانس بھرا اور کہا۔

”میں نام تو نہ بتاؤں گی، مگر ایسے شوہر کی بیوی ہوں، جس کے دسترخوان سے بیسیولہ اللہ کے بندے روزانہ پیٹ پھرتے تھے۔ لیکن جب تقدیر نے پلٹا کھایا اور موت میرے شوہر کو مجھ سے جدا کر گئی۔ تو بیچی جو آج پانچ سال کی ہو دوسرے برس میں تھی، اثاثہ ہمارے پاس کافی تھا۔ مگر لوگوں نے ہم سے بے ایمانی کی۔ اور ہمارا مال غصب کر لیا بغلی میں عزیزوں نے ہم سے آنکھیں پھیر لیں۔ کچھ عرصہ تک ریور سے کام چلایا۔ مگر وہ بھی کب تک چلتا۔ ختم ہوا۔ تو میں نے اپنے ہاتھ پاؤں کام لیا۔ دن پھر ٹوپیاں سیٹی ہوں اور جو کچھ خدا دیتا ہے کھا لیتی ہوں اور اس کو رکھلا دیتی ہوں، میرے بنے ہوئے زمانہ کی ایک بڑھیا ماما کبھی کبھار آ جاتی تھی۔ میں نے اس سے التجا کی کہ وہ میرے پاس سو رہا کرے اس نے میری درخواست منظور کی اور اس طرح میری تنہا راتیں اس کے ساتھ بسر ہونے لگیں، اور میرا غم اس کی بدولت غلط ہونا شروع ہو گیا۔ آج صبح کو بڑھیا اپنے ایک پہلوان بیٹے کو لیکر آئی اور کہا ”چار روپے مہینے کے حساب سے پانچ مہینے رات کے سونے کی کٹھوا ہیں روپے دیدو“ میں حیران تھی کہ میں نے یہ وعدہ کبھی نہیں کیا مگر اس کے لٹکے نے خفا ہونا شروع کیا۔ اور کہا ”میں گھر میں گھس کر برتن بھانڈے اٹھا لیتا ہوں“ محلہ واسے جمع ہوئے میں نے بڑی بی کے سونے کا اقرار کیا اور سب نے ملکر دس روپے پر فیصلہ کر دیا۔ بھائی اب ہمارے ہاں تانبہ کا برتن کوئی نہیں۔ البتہ چنارٹی کے برتن موجود ہیں۔ مگر اس بچی کے پاؤں کی چار چوڑیاں بڑی بڑی مصیبتوں و سخت تکلیفوں میں بچا کر رکھی تھیں وہ بڑی بی نے زبردستی اس کے پاؤں سے اتار لیں بچی سب لوگوں کو منہ دکھیتی رہی اور وہ چوڑیاں جو میں نے اکیس روپے کی بنوائی تھیں پڑوس کے ایک شخص نے دس روپے دیکر لے لیں۔ یہ بچہ ہے بہتیرا بھائی ہوں نہیں بہتی“

یہاں تک پہنچ کر عورت کا دل بھر آیا۔ اس کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

مگر ضبط کیا اور خاموش ہو گئی، سچی سو گئی، مگر دفعہ چوٹی اور اٹھ بیٹھی، ایک غیر شخص کو دیکھتے ہی فوراً کہنے لگی۔

”اماں میری چڑیاں یہ لاسے ہیں؟“

موزون اذان دے رہا تھا کہ یہ شخص اس آدمی کا ہتھ پوچھ کر جس نے چڑیاں لی تھیں روانہ ہوا۔ دیکھا تو وہ نماز کے واسطے باہر نکل رہے تھے۔ بہت منت سے کہا۔

”دس روپے لے لیجئے، وہ چڑیاں دیدیجئے“

نادی صاف اٹک کر گیا اور شکل پندرہ روپے پر چڑیاں دینے کو رضا مند ہوا اس شہزادی نے جس وقت وہ چڑیاں اس بچی کو پہنائی ہیں اور اس نے اچھل کر کہا ہے۔

”لے بی اماں میری چڑیاں آگئیں!“

اس کی قیمت تمام انسانی دنیا بھی نہیں ہے!

ہر قاتل یہ بہترین روح ہے جو خدا کے خوف سے ڈر کر مری!

کچھ سنا اے کم نعت مولینا! تو جس نے جوانی میں مدتوں ڈاڑھی منڈوائی اور ایک نماز بھی سچی نہ پڑھی تھو کہ کیا حق تھا کہ دوسروں کے اس فعل پر اعتراض کرتے جو حقوق العباد میں شامل نہیں ہے۔

گرے نہ خوری، طعنہ مزین متاں
تو غنیمت کنی کہ سن مے نہ خورم
گر تو بہر دید، تو بہر کھم بڑواں را
صدر کار کنی کہ مے غلام ستاں را
ہر قاتل کی یہ کوشش بیکار رہی، جاؤ، پھر تلاش کرو اور انسانی دنیا کا ایک ایسا شخصہ لالہ جو تمہارے عہد و قصور کا باعث ہو سکے

(۴)

تیسری روح

تاج گلچ سے تھوڑی دور ایک آہستہ پیراستہ عالیشان مجلس آسمان سے کھڑی

باتیں کر رہی ہے اور جنما کی لہریں باد صحر کی اکھیلیوں سے مدہوش ہو کر جہاں بھوم
بھوم کر رہیں اس جہنم باؤ پر قربان ہوتی ہیں وہاں ایک سرسری نگاہ اس عمارت پر بھی
ڈال دیتی ہیں۔ رات کا ابتدائی حصہ ہو مگر چاند کی روشنی مجلس کے پائیں باغ میں سرور کے
درخت سے چھن چھن کر ایک چاند سے چہرہ پر پڑ رہی ہے۔ یہ بارہ تیرہ برس کی ایک بھلی
نا تجربہ کار لڑکی ہے۔ اس کے کپڑے معمولی بلکہ میسے۔ اس کا جسم زیور اور آرائش ظاہری
سے نا آشنا۔ گم سم کھڑی ہے لیکن ایک جوان بنا ٹھنا جس کے عطر کی لپٹوں دھوپوں
کی مہک نے باغ کبھی مات کر دیا۔ اس کے پاؤں پر سر رکھے رو رہا ہے۔ یہ حالت
چند لمحہ طاری رہی اور اس کے بعد اس لڑکی نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

”بھائی اکرم، خدا کے واسطے اٹھو تو یہی بتاؤ میں کیا کروں۔ دیکھو کتنی دیر آئے
ہوئے ہو گئی۔ اگر کہیں آبا جان پوچھ بیٹھے، تو کیا ہوگا، بس تم جاؤ۔ اب نو بج رہے
ہیں۔ اُن کے آنے کا وقت ہے۔ میں جاتی ہوں“

اکرم ”میری چاڑا وہن! لڑیہ چا قولہ اور اپنے ہاتھ سے میرے کپڑے میں
بھونک دو۔ ہائے کیا کروں، دنیا رہی ہے مجھے موت نہیں آتی۔ حسینہ میں کچھ نہیں
جانتا۔ میں صرف اس صورت کی پرستش کروں گا۔“

حسینہ ”بھائی یہ تو بتاؤ میں کیا کروں۔ میں کس غصیب میں پھنس گئی! میں پرستش
پرستش کیا جانوں۔ تم سر اٹھاؤ۔ دیکھو گڑ گڑ ہو رہی ہے۔ آبا جان کی گھڑی آگئی
اچھی بھائی اکرم سر اٹھاؤ۔“

اکرم ”تم نے جہاں اتنا رحم کیا ہے وہاں اتنا رحم اور کرو کہ رات کو جب سب سو جائیں
تو چند لمحہ کے لئے اس چہرہ کی زیارت پھر کر دینا۔ ورنہ علی الصبح تم میری لاکشیں
یہاں پڑی ہوئی دیکھو گی۔ دیکھو میسنکھیا میں کئی دن سے جیب میں ڈالے پھر
رہا ہوں۔ مجھے دین و دنیا کا ہوش نہیں، میری حالت ساعدت پر ساعدت ردائی

جاری ہے۔ آج چار روز سے میں نے کھانے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ پلک سے پلک جھپکائی حرام ہے۔ بس تمہاری یاد تھا خیال اور تمہاری تصویر احسینہ مجھ پر رحم کر۔ میں اس صورت پر قریان ہوں گا بس نہیں چلتا کہ یہ کھڑا کلیجہ میں رکھ لوں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ بچپن کی وہ بھولی بھولی باتیں جوانی میں مجھے یہ ستم ڈھائیں گی اور میں صرف اسی کام کا رہ جاؤں گا کہ حسینہ کو سامنے بٹھا کر اس کی عبادت کروں۔“

حسینہؑ رات میرا آنا بہت مشکل ہے، اگر ذرا سا کہنکا بھی ہو گیا اور کسی کو خبر ہو گئی تو کیا ہو گا۔ تم وہیں چلکر سو رہو۔ اما جان کہہ رہی تھیں کہ اکوڑ کا جی خبر نہیں اب کیا ہے۔“

اکوڑؑ نہیں نہیں، بہن، بس تم اتنا رحم کرو اگر تم کو میری اس حالت سے ہمدردی ہو اور جھکے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو جس طرح ہو ایک دفعہ صورت دکھا جانا ورنہ لپٹا صبح تک اس جگہ ٹھہرے انتظار میں پڑی ہوئی ملے گی۔“

حسینہؑ اکوڑ بھائی! میری عقل کام نہیں کرتی کیا کروں۔ اسے بے سچ بچ گاڑی آگئی۔ جاری ہوں۔“

(۵)

”نصیب بہن! آج آٹھ دن سے میں دیکھ رہی ہوں کہ روز رات کو، ساری رات اس بٹم واسے مکان میں سے روٹنے کی آواز آتی ہے اور اس دروستہ کہ کلیجہ پر چوٹ لگتی ہے۔ نہ سعادتم کون اللہ کا بندہ ایسا مصیبت کا مارا ہے کہ جس کو پلک سے پلک جھپکائی حرام ہے۔ یہ مکان ہمارے ہوش سے آباوہ ہے، کچھ آج کل کا بسا بھی نہیں کہ نہ لوگ ہوں، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ جو کوئی بھی رہتا ہے، برسوں گزر جانے پر بھی آج تک ملنا جلتا تو درکنار کبھی کسی بچے کی، بڑے کی، عورت کی، مرد کی، ہون تک

نہ سنی۔ سولہ اس گریہ وزاری کے کہ جس سے میرا کلیجہ دہلتا ہے۔ کل رات تو مجھ کو اما جان کی بیماری کا فکر بندھا ہوا تھا، اُدھر سے جو یہ دردناک صدا آئی ہے تو کلیجہ کا یہ حال تھا کہ بیٹوں اچھل رہا تھا۔ کہتی تھی کہ پرہوں تو اڑ کر پہنچ جاؤں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے پڑوسی کو جو کچھ ممکن ہو مدد دیں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو ہسم دونوں چلیں۔“

نصیرہؑ: ہوا، چلنے میں تو ہرج نہیں۔ مگر پرایا گھر، انجان لوگ، کیا خبر آنے دیں نہ آنے دیں۔ تم ابھی کہتی تھیں کہ برسوں ہو گئے، مگر دیوار بیچ یہ تک پتہ نہیں کہ کون ہیں۔ کیا کرتے ہیں۔ چلنے کو چلی چلو، مگر نہ گھسنے دیا تو بڑی کر کری ہوگی۔“

اسلمؑ: ہم اپنا فرض ادا کر لیں کر کری کیا ہوگی۔ نہ آنے دیں گے چلے آئیں گے۔ مگر مردانہ ہوا تو بڑی مصیبت ہوگی۔ نگوڑے مردوں کی جھڑکیاں کون سنے گا۔“

نصیرہؑ: جب ارادہ کیا ہے تو ہم اللہ کرو۔ ا دکھلی میں سر دیا تو دھکوں سے کیا ڈر۔ مگر ڈولیوں میں چلنا ٹھیک نہیں۔ برقعہ اوڑھ لو۔ مردانہ ہو گا لوٹ آئیں گے۔“

اسلمؑ: اے ہے بہن نہیں، دن دھاڑے برقعہ میں!“

نصیرہؑ: ہرج کیا ہے ڈولی میں چلنا تو ہرگز مناسب نہیں۔“

اسلمؑ: اور جو کسی کو خیر ہوگئی تو؟“

نصیرہؑ: نیک کام کو چل رہے ہیں، اللہ نیت کے حال کو جانتا ہو۔ لو بہنتی ہو تو اٹھو۔“

اسلمؑ: چلو۔“

دونوں نے برقعہ اوڑھا اور جلدی سے نکل کر نیم والے دروازے میں پہنچیں۔ تو وہی درد انگیز رونی کی آواز آرہی تھی۔ پہلے دونوں نے مشورہ کیا اور پھر جھانک کر دیکھا تو آدمی نہ آدم زاد ایک عورت نہایت زوی حالت میں میٹھے پکیلے کپڑے پہنے، پڑانے دہرا لے کچھونوں میں پڑی ہائے ہائے کر رہی ہے۔ اس کا چہرہ اتفاق سے

دروازہ کی طرف تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس نے کچھ سوچا اور کہا۔

”بیویو! اگر آنا چاہتی ہو تو شوق سے اندر آؤ۔“

دونوں اندر گئیں۔ کوئی اچھی جگہ اندر بیٹھنے کو نہ تھی۔ بوریئے بھی ٹوٹ کر زمین سے ہارتر ہو گئے تھے۔

اس عورت نے دونوں کو بیٹھنے کے واسطے کہا اور یہ خاموش بیٹھ گئیں۔ جب زیا وہ دیگر گزر گئی تو اس عورت نے کہا۔

”بیویو! آپ نے کیسے تکلیف کی؟ کیا غرض ہے؟ کہاں رہتی ہو؟ کس کے پاس

آئی ہو؟“

نصیرہؒ ”ہم آپ کے پڑوسی ہیں۔ آپ سے ملنے کو بہت روز سے جی چاہتا تھا مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ آج دل کڑا کر گئے آگئے اور احسان میں کہ آپ نے اندر آنے کی اجازت دیدی“

عورتؒ ”میں اس غلہ میں مدت سے ہوں۔ اس سے پہلے کبھی آپ نے تکلیف نہ فرمائی۔ ان دنوں میں آپ کا جی کیوں مجھ سے ملنے کو زیادہ چاہا۔؟“

نصیرہؒ ”اگر ناگوار نہ ہو تو ہم مفصل کیفیت عرض کریں“

عورتؒ ”ناگوار کیا ہوگا۔ میں اس درجہ کوٹے کر چکی کہ کوئی بات گوارایا ناگوار نہ ہو“ نصیرہؒ ”یہ تو آپ نے ایک معمر فرما دیا۔ انسان زندگی میں کس طرح ایسے درجے کو طے کر سکتا ہے؟“

نصیرہؒ ”خیر اس بحث کو جانے دیجئے۔ اس میں کیا رکھا ہے۔ آپ اپنے آنے کی وجہ فرمائیے“

اسلمؒ ”چند روز سے ہم اس گھر سے ایسے دردناک رونے کی آواز سنتے ہیں کہ بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ نیند قطعی اڑ جاتی ہے۔ کئی دفعہ

یہ قصد کیا کہ اسی وقت آئیں اور آپ سے ملیں۔ مگر رات کا وقت ہوتا ہے شاید آپ آنے کی اجازت نہ دیں، نہ آسکے۔“

عورت: ”آپ مطمئن رہیں کہ آئندہ آپ کو ایسی تکلیف نہ ہوگی۔ اور آپ تشریف لے جائیں“
نصییرہ: ”ہم ابھی چلے جاتے ہیں، لیکن اس آنے سے جو ہماری غرض تھی وہ پوری نہ ہوئی۔“

عورت: ”آپ وہ غرض بھی فرمائیے۔“

اسلم نکلیا اس رونے میں ہم کچھ مدد دے سکتے ہیں کہ وہ تکلیف کسی طرح کم ہو۔ اتنا سنتے ہی عورت کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس کا نظ ہال چہرہ غصہ سے لتھتا اٹھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آنکھیں اب کل پڑیں گی۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہی، غصہ ضبط کیا اور کہا۔

”آپ ہماری مدد کو آئی ہیں؟“

میں آپ کی مشک گزار ہوں، مگر آپ کی ہمدردی کی محتاج نہیں۔“
کوٹھری میں سے کسی کے کھانسنے کی آواز سنکر اسلم اور نصییرہ دونوں نے برقہ سمجھا لگا اور بھلیا اور کہا۔

”کاش ہم اپنی ایک بہن کو کچھ مدد پہنچا سکتے تو ہم سمجھتے کہ ہم سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔ لیکن یہ ہماری بے نصیبی ہے کہ آپ ہم کو اپنی تکلیف میں شریک نہیں کر سکتیں۔“

عورت: ”میری داستان مصیبت ایسی نہیں کہ کوئی اس میں شریک ہو سکے یا اب اس کو ہلکا کر دے، جو مصیبت آگئی اب کسی طرح ٹل نہیں سکتی جو تیرے گمان سے جو بات زبان سے نکل چکی اب اس کا واپس آنا شکل ہے۔ بہنوں میں چارہوں اور اب میرا آخر وقت ہے، صرف میرے پاس ایک چیز ہے جس کو میری کسی اینک

سپر دکرنا چاہتی ہوں۔ مگر آہ اس کجست دنیا میں انسان..... امین.....“
عورت کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے، اس کا دل بھر آیا۔ اس نے پھٹی ہوئی دری کے
نیچے سے ایک تصویر نکالی اور کہا۔
”امین، امین، بہتر امین۔“

معزز بہنو! میں تمہاری بہاروی کی دل سے ممنون ہوں۔ یقین کرو کہ تم میری
مصیبت میں کام نہیں آسکتیں اور ایک دم کیا کوئی بھی نہیں آسکتا۔ تم میری مصیبت
سننے کے بعد بہاروی تو درکنار، شاید مجھ سے ہزاروں کوس دور بھاگ جاؤ مجھے
وہ مرض ہے کہ میری ہوا سے، میں وہ بیمار ہوں کہ اس وبا سے اور میں وہ کمخت
ہوں جس کی صدا سے دنیا کانوں پر ہاتھ دھرے گی۔ تم میرے رونے سے
متاثر ہوئیں۔ انسانیت کا فرض ادا کیا بشکر گزار ہوں اور یقین دلاتی ہوں کہ
اب یہ آواز نہ سنو گی۔ بے چینی کے نالے، بے صبری کی فریاد، بے کسی کا شیون
بے بسی کی زاری، عالم بخود ہی زبان تک آگئی۔ بھکیٹ ہوئی، بیوہ با معاف
کرنا اچھا سلام۔“

عورت کے تیور بگڑے جاتے تھے اس کے قلب کی کیفیت عجیب تھی مصیبت
میں غصہ اور پریشانی میں جرات اس کی گفتگو سے ٹپک رہی تھی اور گو اس کا لباس
کشیف، اس کی صورت رنیل اس کا گھر ذلیلوں کا ذلیل تھا، مگر اقبال اس کے
چہرے سے ظاہر اور رعب اس کی شکل سے عیاں تھا، وہ کبھی روتی تھی اور کبھی
غصہ میں تھرا اٹھتی تھی، مگر کمزوری کا یہ عالم تھا کہ ذرا جوش میں اٹھتی تو جکڑ آتے اور
بیٹھ جاتی۔

نصیحتیں بی بی بی ہم بھی چلے جاتے ہیں۔ لیکن آپ سے ایک دفعہ پھر منت سے
التجاکرتے ہیں کہ وہ اپنی امانت.....“

اگر میں چند لمحہ کے واسطے آدھی رات کے وقت پائیں باغ میں نہ جاؤں گی تو سنکھیا کھائے گا۔ میں اس کی گھانٹوں سے ناواقف، اس کے مکر سے بے خبر، چاہنچی اداس دغا باز نے پہلا کر پھسلا کر..... میرا خاندانی جوہر، میرے باپ دادا کی عزت، میرے شیشہ عصمت کو ہالچیر چلنا چور کر دیا! اس وقت کا وہ پیکھنے والا اور اس حال کا جاننے والا اگر کوئی ہے تو وہ درخت جو میرے سر پر سرسرا رہے تھے اور وہ غالم الغیب جو پوشیدہ رازوں کا جاننے والا ہے۔ مجھے ہرگز معلوم نہ تھا کہ کیا ہوا اور کیا ہو گا۔ مگر قدرت نے اس مصیبت کی یاد گار، اس ظلم کا انجام میرے واسطے چھوڑا۔ اور یہ وہ لڑکی ہے جس کے کھانسنے کی آواز تم نے اندر سے سُنی جب وضع حمل کا وقت قریب آیا اور جھکولیں ہو گیا کہ اب میری ہستی ایک معزز خاندان کی تمام آبرو پر پانی پھیرے گی تو میں نے اس شقی القلب کو ایک خط لکھا اور لکھ دیا کہ میں اس شہر سے غارت ہوتی ہوں اور فلاں وقت اس گھر سے ان گھر والوں سے اور چیزوں سے اور ان لوگوں سے ہمیشہ کو رخصت ہو جاؤں گی۔ چنانچہ میں نے اپنا پیش بہا جو ہرات کا زیور اور جبر، قدر و پیہم سے لے سکتی تھی، ساتھ لیا اور ان ماں باپ کو جن کی صرف میں ہی ایک اکلوتی بیٹی تھی، سوتا چھوڑ، چل کھڑی ہوئی تو اوہر سے اس شقی القلب کی برات آ رہی تھی! اور وہ دولہا بنا گھوڑے پر بیٹھا تھا! میں نے دُور سے اس کی بیوفا نظریں دیکھیں اور جبر منہ اٹھا چل نکلی۔ مسامیہ سے میں نے اس کو خط لکھا اور اپنا مفصل پتہ بتا دیا۔ کئی روز بعد اس کا یہ خط مجھے ملا۔ جو ہر وقت میرے پاس رہتا ہے۔

حسینہ!

تم نے بڑی غلطی کی کہ تم یہاں سے چلی گئیں۔ تنہا ہی عزت تو برباد

ہوئی ہی تھی۔ لیکن اب تمہارے فرار سے میری بھی بدنامی ہوگی۔
اس وقت میرا آنا مشکل ہے۔ ممکن ہوا تو اگلے چینیے میں آنے کی
کوشش کروں گا۔

مساہبہ میں یہ لڑکی پیدا ہوئی جو میرے دامن عصمت پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔
رات بھر اپنے فعل پر روتی اور دن بھر اپنی حالت پر آنسو گراتی ہوں، سنا ہواں
باپ روتے روتے اندھے ہو گئے۔ گو یہ ممکن ہے کہ میں پھر ان سے جاملوں
لیکن یہ منہ اب اس قابل نہیں رہا۔ میری حالت رومی ہو گئی۔ اور موت قریب ہو
صرف اس کم بخت کی یہ امانت میرے پاس موجود ہے، اور اس کے خیال سے
مجھ پر مصیبت کا بار بہت زیادہ ہو گیا۔

”بتاؤ بیویو! کیا مدد دے سکتی ہو۔ دیکھو بخار چڑھا ہوا ہے۔ چند گھنٹوں یا دنوں
کی یہ ناپاک روح اور اس دنیا میں جہان ہے۔ تم اتنا کرم کرنا کہ میرے بعد اس
بچی کو اس سنگدل باپ کے پاس پہنچا دینا۔“

حسینہ کی حالت بدتر تو پہلے ہی تھی اس کا جوش اور بھی ترقی کر گیا اور اکرم
کی خطرناک تصویر آنکھ کے سامنے پھر گئی۔ دانت چبانے اور سر دھنسنے لگی اور
اُسی حالت میں تڑپتے تڑپتے مر گئی۔

صرفان نے اس روح کو قبضہ میں لیا اور آگے بڑھا۔

(۱۶)

چوٹھی روح

ناموسر دار حاتم بے کاتیسرا اور سب پھوٹا لڑکا طلعت بے جس کے حسن کا
سکہ تمام ملک میں بیٹھا ہوا ہے ایک تھوہ فانیہ کے پاس گھاس کے ایک سرسبز قطعہ پر

خاموش بیٹھا ہوا ایک مشہور فقیہ کی لڑکی مغیرہ سے جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی، باتیں کر رہا ہے۔

طلعتؒ مغیرہ امیری رائے میں اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی ایک عورت کو کسی مرد کی بیوی بننے سے جو حقوق حاصل ہوتے ہیں میں نہایت خلوص سے ان سب کا تم سے وعدہ کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی یقین دلانا ہوں کہ میں باقاعدہ طور پر کسی دوسری عورت کا شوہر زندگی بھر نہیں ہو سکتا۔ مگر میں مجبور ہوں اپنے باپ کے حکم اور لاچار اپنی ماں کے اصرار سے، کہ وہ باوجود سخت کوشش کے رضامند نہیں ہوئے، اور اسی تحریک کا نتیجہ ہے کہ میں قطعاً غیر متوقع اتنی دُور دراز جگہ بھیجا جا رہا ہوں۔ قرنی سرکشوں کا قصبہ ایسا نہ تھا کہ اس کی شرکت کے واسطے مجھ کو حکم دیا جاتا؟

مغیرہؒ اس خیال کے دہراسنے کی چند اہم ضرورت نہیں معلوم ہوتی، تم باوجود اس حیثیت کے کہ میں تم کو پسند کرتی ہوں، مجھ سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ میں تمہارے ناجائز مطالبات پر دم بھر کے واسطے بھی غور کروں، مجھ کو اپنے جذبات اپنی خواہشوں اور اپنی ضروریات کا قتل کر دینا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے، بمقابلہ اس کے کہ میں اپنے باپ کی شہرت پر بٹہ لگاؤں۔ تم نے آج پھر وہی گفتگو کر کے میرے خیالات کو تکلیف پہنچائی؟

طلعتؒ: مغیرہ! میں ایک عرصہ دراز کے واسطے تم سے ایب جڑا ہو رہا ہوں۔ یہ رات اس سے پہلے کہ آفتاب کا استقبال کرے، مجھ کو تم سے کوسوں دور کر دینے کی یہ تھا وہ خیال جو اس نازک وقت میں برسوں کے ارمان کو زبان پر لے آیا؟

مغیرہؒ: اگر تم کو میری دل آزاری کا خیال ہوتا تو یہ تجوید زبان پر دوبارہ نہ آتی۔ میں تمہارے مقابلہ میں ایک غریب باپ کی بیٹی اور کم حیثیت انسان ہوں، مگر تم

اور اعزازِ انسانیّت کا معیار نہیں۔ یقیناً میں تمہارے خیالات کی اس قدر دل زاری
 کبھی جائز نہ سمجھ سکتی۔ خیر مضیٰ یا مضیٰ، تمہاری ٹین ٹمیک تین بجکر بیس منٹ پر روانہ
 ہوتی ہے اور مجھے اُمید نہیں کہ میں اُس وقت اسٹیشن پر پہنچ سکوں؟
 طلعت: اس وقت تمہارا آنا مناسب بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ بہت سے ایسے لوگ
 اسٹیشن پر موجود ہوں گے جن کی نگاہ میں تمہاری موجودگی باوقعت نہ ہو۔
 مغیرہ: میں خود سمجھ سکتی ہوں؟

طلعت: اچھا مجھے اب چلنا چاہیئے۔ گیارہ بج چکے ہیں؟
 مغیرہ: مجھے تمہارے رومکے کا ایسی حالت میں کہ تم جانا چاہتے ہو کوئی حق نہیں؟
 طلعت: رہا تھڑکا کر خدا حافظ؟
 مغیرہ: اچھا اگر تمہاری یہی خوشی ہے، تو خدا حافظ!

(۷)

قراقش کے وسیع میدان میں ہزار ہا بندگانِ خدا دونوں طرف سے اپنے
 وطن پر جانیں قربان کرنے کو موجود ہیں۔ آفتاب کے نکلنے ہی سنگینوں کی چمک نے
 تمام میدان کو جگمگا دیا۔ دشمن کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ تھی مگر وطن کا جوش
 ایسا نہ تھا کہ سلطنتِ آسانی سے کامیاب ہو جاتی۔ دفعۃً اُن کے کمانڈرنے
 ایک موثر تقریر کے بعد حملہ کا حکم دیا۔ سلطنت نے بھی اس وقت خوب دلوں عجائبات
 دی۔ دن بھر خونِ یز جنگ جاری رہی۔ یہاں تک کہ آفتاب کی تیز شعائیں
 وہیں پڑ گئیں اور جب اس پر بھی لڑائی ختم نہ ہوئی۔ آفتاب آنکھ سے اُجھل ہو گیا
 تو طلعت بے نے بے جگری سے چارپانچ زبردست حملے دشمن پر کئے اور اس کا
 خیال تھا کہ اب اندھیرے میں آخر حملہ دشمن کے پاؤں اکھاڑ دے گا۔ مگر ایک شخص
 نے مقابل میں آکر نلدار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ طلعت کے سخت زخم آیا اور وہ

اسی حالت میں بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ رات زیادہ آگئی تھی۔ مگر کہ دوسرے روز کے واسطے ختم ہوا اور طلعت پہلے اسی میدان میں بے ہوش پڑا تھا کہ ایک سپاہی اُس کو اٹھا کر راتوں رات کہیں کا کہیں پہنچ گیا۔ زخموں کی حالت روز بروز خراب ہوتی رہی۔ مشہور ڈاکٹر علاج میں سرگرمی سے مصروف تھے، مگر افاقہ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، دماغ پر ایسا سخت صدمہ پہنچا تھا کہ بسا اوقات اس کی باتیں بھونانہ اور اس کی حرکتیں دیوانہ وار ہوتی تھیں۔ بالآخر اس ملازم سپاہی کو بھی مایوسی ہوئی اور اس نے سمجھ لیا کہ اب طلعت کی حالت رو بہ صحت نہیں ہو سکتی۔ قدیمی نمک خوار تھا اور جو مال متاع پاس تھا وہ سب ختم کر چکا اور اب صرف اس قدر باقی رہ گیا کہ دونوں وطن پہنچ سکیں۔ مگر راستہ کی زحمت اور مسافت کی تکلیف ایسا خطرناک سماں آنکھ کے سامنے تھا کہ ہمت نہ بڑھتی تھی۔ گو ڈاکٹروں کی رائے میں ابھی مایوسی کے آثار موجود نہ ہوئے تھے۔ مگر سپاہی کی ہمت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ بالآخر اس نے مصمم عزم کیا کہ علی الصبح طلعت کو لے کر روانہ ہو جائے، لیکن رات ہی کو یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہو گئی کہ دشمن کا قبضہ دریائے سیلٹ پر ہو گیا۔ اور تمام رستے بند ہو گئے۔ مجبوراً قصہ فسخ کرنا پڑا اور وہ روپیہ جو سفر کے واسطے رکھا گیا تھا۔ پھر تیار داری میں صرف ہونا شروع ہوا۔ اس مرتبہ بھی دماغ کی حالت اصلاح پر نہ آئی اور سا آٹھ ہی بخار کا ایسا زبردست حملہ ہوا کہ سپاہی کے ہرے ہرے ہوش و حواس جاتے رہے۔ یہ بخار اکیس روز کے بعد رفع ہوا تو طلعت یوں تو بظاہر تندرست تھا، مگر اس کی صورت مُردوں سے بدتر تھی فقط آنکھیں باقی رہ گئی تھیں۔ جو ڈوگر ڈوگر کرتی تھیں۔ اُن میں بھی اتنی طاقت نہ تھی کہ پورے لمحہ بھر کے واسطے اچھی طرح کھل سکیں۔

رفتہ رفتہ زخم اچھے ہونے شروع ہوئے، طاقت بھی کچھ آنے لگی تو طلعت کو

اس سپاہی کے حالات معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ صورت پہلے کی دیکھی ہوئی تھی مگر پہچان مطلق نہ سکتا تھا۔ دو ایک دفعہ خود ہی سوال کیا مگر یہ دیکھ کر کہ سپاہی نے چہرے پر جیسے ہو کر ڈال دیا خاموش ہو گیا۔ لیکن دل میں ایک کرپہنی ہر وقت لگی رہتی ہے کہ یہ شخص جس نے اپنے تمام عیش و آرام مجھ پر قربان کر دیئے جس کی بدولت میری جان میں جان آئی۔ کون ہے، اور میں اس کے احسانات کا کیا معاوضہ کر سکتا ہوں۔ ہر چند دماغ ہر روز دیتا مگر مطلق پتہ نہ لگا سکا، ایک روز وہ عالم تنہائی میں بیٹھا مٹیوں کی کچھلی چھٹیاں پڑ رہا تھا کہ دفعۃً اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور ارادہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو راتوں رات یہاں سے بھاگ کر گھر پہنچے۔ گو بہتہ خطرناک تھا مگر دونوں کامیاب ہوئے اور کسی نہ کسی طرح بچ بچا کر وطن کی سرحد پر جا پہنچے۔ اس وقت سپاہی تھوڑی دیر کے لئے آنکھ سے اوجھل ہوا، اور زمانہ لباس میں سامنے ہو کر کہا۔

میں وہی کینیز مغیوہ ہوں۔ اب خدا تمہارا وطن تم کو مبارک کرے میں غرضت ہوتی ہوں۔“

(۸۵)

مساجد سینڈنٹین کے پاس ایک مشہور شفا خانہ میں مریضوں کا مجمع ہے اور ڈاکٹر باری باری ہر مریض کو دیکھ کر نسخہ تجویز کر رہا ہے۔ گیارہ بجے کے بعد جب مریض چلے گئے تو ایک برقعہ پوش عورت نے آکر نبض دکھائی اور تمام کیفیت بیان کرنے کے بعد نسخہ کی منتظر تھی کہ دفعۃً ڈاکٹر نے آواز بلند کہا۔

”چلی جا، فوراً چلی جا، یہ متعدی مرض ہے اور اس کی ہوا بھی برا بیٹھنے والوں کی موت کا باعث ہوگی۔“

”تقدیر کی خوبی ہے کل نکاح ہے اور آج یہ مرض شروع ہوا۔ اللہ اللہ تیری

قدرت کے بھی کیا کھیل ہیں۔ طلعت کے والدین میری خدمات کے صلہ میں اب نکاح پر رضامند ہوئے تو پر مصیبت آئی، مجھ کو کوئی ظاہری تکلیف نہیں صرف کہانی میں ایک انہ ہے جس میں کسی قسم کی سوزش نہیں، تکلیف نہیں۔ مگر ہاں لمحہ بہ لمحہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ بہر حال جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔ اس وقت وہ ارمان جو میری زندگی کا حاصل تھا پورا ہو رہا ہے۔ میری اگر زندگی اسے کوئی توقع تھی تو صرف یہ کہ طلعت میرا شوہر ہو، وہ پوری ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر کامیابی اس سے زیادہ خوشی اب میں اس دنیا سے کیا لوں گی مگر نہیں نہیں محبت کا دعوے کر چکی ہوں اور سچ مجھ کو طلعت سے محبت ہی کیا محبت کے یہی معنی ہیں کہ میں اپنی آرزو پوری کر لوں اور طلعت کو اس مصیبت میں پھنسا دوں۔

افسوس افسوس!

مجھے خدا زندہ نہ رکھے، اس وقت جب میں طلعت کو ایسی تکلیف پہنچاؤں۔ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ دنیا کی خوبی دیکھے، خوش رہے۔ یہ میرا عین مقصد ہے اور یہی عین کامیابی۔ دانہ بڑھتا جا رہا ہے۔ طلعت بے چینی سے کل کا منتظر ہو گا کہ نکاح ہو جائے اور وہ میرا شوہر بنے۔ مگر اس سے زیادہ میں بچپن ہوں۔ چلوں ایک دفعہ اس کی صورت اور دیکھ لوں۔ مگر آہ اسے کم بخت خود غرض مغایرہ! شرم! شرم! اگر اس وقت کی ہوا طلعت کو یہ مرض لگا دے تو محبت کا دعویٰ کہاں گیا۔

یہ ممکن نہیں کہ میں زندہ رہوں تو طلعت مجھ سے دور رہے۔ دانہ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ مر گئی تو وہ ضرور میری لاش پر آئے گا۔ موت ایسی ہو کہ طلعت کی زندگی پر اثر نہ پڑے، انکوئیں میں گر پڑوں۔ مگر نہیں لاش بکھلے گی۔ ممکن ہے کہ مرض متعدی اس وقت رنگ لائے۔ ہاں ہاں فراط طلعت کے بدلے مجھ کو آغوش میں لے گا۔ لہذا مجھ کو کنارہ میں لیں گی اور اس طرح عرگر شستہ کا ارمان پورا ہو گا۔ وہ وقت آنکھوں کے سامنے ہے جب میں اور طلعت شب ماہ میں دجلہ کی سیر

کشتی میں کر رہے تھے۔ طلعت کا ہاتھ پانی میں پڑا تھا۔ آج بھی دریائیری پر وہ بستی کرے گا۔ یہ پانی طلعت کے ہاتھ سے مس ہوا۔ اس پر میرا حق ہے۔ مگر اس واقعہ کی اطلاع دیدوں، حبیب اور محبوب کا کل نکاح ہے۔ نہیں میں بیا رہوں۔ مرض مستحری اندیشہ ہے کہ تم کو نہ لگ جائے۔ مدتوں کے ارمان دل کے دل میں ہے اور ایک بھی آرزو پوری نہ ہوئی۔ میں اپنے محبوب طلعت پر قربان ہوتی ہوں۔ زیادہ رنج کی بات نہیں صبر کرنا اور خوش رہنا۔“

دوپہر کا مسلمان وقت تھا۔ زیتون کے درخت سرسبز کو نپلوں کو آغوش میں لئے جھوم رہے تھے، کہ دیائے دجلہ نے مغیرہ کو آغوش میں لے کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

یہ روح بھی صقان نے ہاتھ میں لی، اور عالم بالا میں پہنچا۔ دونوں روہیں پیش کیں۔ داروغہ نے دونوں روہیں دیکھیں اور کہا۔

”بشیک صقان یہ روہیں اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے اچھی ہیں۔ مگر ان سے بہتر روحوں کا وجود بھی ہے۔ جا اور تلاش کر۔“

(۱۹) پانچویں روح

رفعت پیاری!

تھکے حسن و جمال میں خدا ترقی دے میں ابھی زندہ ہوں مگر موت کا منتہی، موجود ہوں لیکن ناپید ہونے کا خواستگار۔ تم نمازن ہو۔ نمازن رفعت دعا کرو، کہ خدا بدلبیب شاکر کو آپ دنیا سے اٹھائے، سنا ہے تمہاری شادی کی تاریخ ٹھیک گئی۔ خدا مبارک کرے اور وہ وقت جلد لائے کہ رفعت دہن نہ کر پاکی میں بیٹھی، پھولوں میں

بسی، زیور میں لدی، اپنے دولہا کے گھر جا رہی ہو۔ میں تمہاری غلامیوں کا احسان نہ ہوں۔ تم نے مجھ جیسے ذرہ بے مقدار کو اپنے پہلو میں جگہ دے کر گھاڑھے کو کم خواب بنا دیا۔ تمہارا شکر یکس منہ سے ادا کروں تم نے وہ کیا کہ آج انسانی دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی ہیں تمہارے غلاموں، تمہارے نوکروں تمہارے ملازموں کے بھی لائق نہیں۔

مگر تم نے اپنی شرافت سے اپنی انسانیت سے اپنے رحم سے اپنے کرم سے میرے ہاتھ پکڑے کی لاج رکھی، اور دکھا دیا کہ جہان نواز بیگمیں ایسی ہوتی ہیں، لیکن تم جانتی ہو۔ اچھی طرح معلوم ہے، کہ میں ایک روح تمہارے حُسن پر سے قربان کر چکا اور گو آج اس کی پٹریاں بھی گل کر خاک ہو گئیں، مگر اس کی مکر وہ صورت، اس کی بھونڈی باتیں، اب بھی حیب یا د آتی ہیں تو نفرت ہو جاتی ہو۔

اب میں صرف تمہارا بندہ ہونے کے سوا کچھ نہیں ہوں۔ نہ کسی بیوی کا شوہر ہوں نہ کسی ذی روح کا مالک۔ اگر خدا مجھ کو اس قابل رکھتا تو تم دیکھیں اور یہ تمہارا غلام دکھا دیتا کہ منزل عشق میں ثابت قدم رہنے والے عشاق اور کسی کے احسان کا اعتراف کرنے والے ممنون کس طرح اپنی عزیز سے عزیز شے محسن پر قربان کر دیتے ہیں۔ اب میرے پاس ہائے پیاری سافعت! میرے

جان و مال کی مالک، میرے دین و ایمان کی مالک سافعت! کچھ نہیں۔ ہاں صرف یہ ایک جان موجود ہے۔ دولہا تمہاری پالکی پر زرو جو ہر کے ڈھیر اور اشرفیاں نچا کر رکھے گا۔ مگر تمہارا اتنا غلام نکاسا تمہاری پالکی پر اپنی جان نثار کرتا ہے۔

اس کی روح تمہاری پالکی کے پاس اور کہا روں کے ہر قدم کے ساتھ ہوگی ہر نعمت پیاری پچھلے احسانوں کا معاوضہ آج تک کی محبت کا بدلہ۔ بد نصیب تناس کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں۔ تمہارے ہمیز میں ہزاروں لاکھوں کا زیور۔ ہیرے جو اہرات۔ سونا چاندی۔ تمہارے چڑھاوے میں، ایک چھوڑ چار چار پانچ پانچ علاقے۔ بیسیوں گاؤں ہسپتالوں مکان موجود ہیں، مگر مجھے تمہاری پچھلی محبت اور دیرینہ عنایات سے امید ہے کہ تم اس کم بخت اور غریب و بد نصیب کا یہ ہدیہ بھی قبول کرोगی۔ جس کا مقصد زندگی صرف تم کو عمر بھر سجدے کرنا تھا۔ تمہارے ہیرے کے گنگن جو شادی کے بعد اب عمر بھر تمہارے ساتھ سوئینگ، تمہاری بڑاؤ والا جواب ہمیشہ ہمیشہ کو تمہارے گلے کا بار ہوگی، تمہارے کانوں کی گڑبڑ کیا ہے جو مدتوں تم سے سرگوشیاں کریں گی، وہ یا قوتی جھومر جو تمہارے زلف سیاہ کا ہمراہ ہوگا، سب میرے ہاتھوں میں کھیلے ہیں، اور اس وقت میرے دل مجھ پر چر کے لگا رہے ہیں۔ میں اب تم سے اور ہر اس چیز سے جو تمہاری ملکیت ہو مدت العمر کو جدا ہوتا ہوں! اس نعمت دیکھنا کیسا نازک وقت ہے اور غور کرنا کہ شام پر جو محض تمہاری صورت کا دیوانہ تھا، یہ سننے کے بعد کہ اب وہ موہنی صورت دوسرے کی ملکیت ہوتی ہے کیا گز گئی۔ مگر

لازم ہو سہر عشق میں ظاہر قفاں ہو
جل بچھے اس طرح سے کہ مطلق دہوا ہو
پیاری ہر نعمت! اسپنے عاشق مجھ پر، بیکیں وہ بے شام کا یہ تحفہ قبل کرنا۔

خدا تم کو خوش رکھے۔ دنیا اور دنیا کے مشاغل چند روز بعد تمہاری حالت
روبراہ کر دیں گے مگر مسافت پیاری مسافت جب تک زندہ ہو اس
نشانم کو نہ پھولنا جو تم پر سے قربان ہو گیا۔ اس خوشی میں جو قانونی
دنیا تم کو عطا کرے اور خدا رات دن نت نئی خوشیاں نصیب
کرے۔ دن عید اور رات شب برات ہوں۔ مجھے جان نثار کے خیال
کو شریک کر لینا۔ کیا کوئی انسان کسی انسان پر اس قدر سخت ظلم کرنے
کے بعد جو تمہارے باپ بچے مجھ پر کئے انسان ہونے کا مدعی ہو سکتا
ہے؟ مگر نہیں نہیں۔

پیارا ہے، پیاری کا پیارا
وہ تمہارے محترم باپ اور میرے بزرگ ہیں، جو کچھ کیا، خوب کیا،
اُن سے کیا شکوہ ہو سکتا ہے۔
گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

کیوں مسافت! کیا میری آنکھیں اس وقت سے پہلے ابھی نہیں نہ
سوچائیں گی اور میرے کان اس لمحہ سے پہلے ہمیشہ کو بیکار نہ ہو جائیں گے۔
جب میں دیکھوں یا سنوں کہ میری محبوبہ دوسرے کی ملکیت ہو گئی مسافت
پیاری میں ان سے عزت محبت کچھ دوسرے مدعی، بھولی غور توں کو ہر گز
والے مردوں میں سے نہیں ہوں جو اُس کے بعد بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔
جی گھبرا تا ہے، بکلیہ نکل رہا ہے! بس مسافت خدا حافظی مان لے

بازہ حبیب

نشانم

پیارے نثار! پیارے

خیالات کو بلند، دل کو ہشیار اور طبیعت کو مطمئن کرو کیسی شادی کس کا بیاہ
کہاں کا نکاح۔ دیکھو جو کچھ ہوا اور ہونے دو جو کچھ ہو رہا ہے۔ باپ مختار
اور ماں مستحق سہی مگر دونوں خدا نہیں ہیں، نکاح سے کیا ہو گا اور دوغ
کیا کریگی ایک عارضی ڈھکوسلا ہے، ہو جائے اور اماں باؤ کا اعلان
ہے شوق سے پورا ہو۔ اظہر من الشمس اور بھائی ہو اور بھائی رہیگا۔ مسافت کا
مالک نہیں ہو سکتا۔ مسافت نثار کی ہے اور رہے گی۔ دنیا دہر کی
ا دہر ہو جائے، آفتاب مشرق کی بجائے مغرب سے نکلے۔ تارے دن کو نظر
آئیں اور آفتاب رات کو مگر مسافت جو دل نثار کو دے چکی ہو وہ اب
دوسرے کے قبضہ میں نہیں جاسکتا۔ تمھاری زندگی سے میری زندگی
اور تمھارے دم سے میرا دم ہے، اگر جاتے ہو تو مجھ کو ساتھ لے لو۔ یہاں
اطمینان نصیب نہ ہوا تو عالم بالائیں کوئی خارج نہ ہو گا۔ میں اسی وقت
تک زندہ ہوں جب تک تم موجود ہو۔ جب تم نہ ہو گے تو میری زندگی
فضول اور جینا بے کار۔ شادی کی سیر دیکھو اور اس نکاح کا لطف
اٹھاؤ۔ یہ شادی خانہ آبادی نہیں ایک گھر کی بربادی ہوگی۔ اور یہ نکاح
ایک شخص کی محبت آمیز نگاہوں کو ادھیڑ سلا دیگا۔ پیارے نثار
کس کی ہستی ہو کہ مسافت پر محبت بھری نظریں نثار کے سوا ٹلے ہیں
عورت ہوں مگر اس آنے والی مصیبت میں استقلال کو ہاتھ سے نہیں
دیا اپنے ارادے پر ثابت قدم اپنے خیال کی پٹی اور اپنی دھن میں
ہوں۔ گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ میں بھی تماشہ دیکھ رہی
ہوں اور اس بد نصیب اظہر من الشمس کی بد قسمتی پر افسوس کرتی ہوں جس نے

جان سے ہاتھ دھو کر یہ سودا مول لیا۔ موت اس کے سر پر سوار ہے اور یہ خط اس کو گہری نیند سلا دے گا۔ مرد ہو کر اتنے بچو اس اور سمجھا رہو کہ اتنے بودے! واہ میاں! نٹاس واہ! ایسی بڑ لگی کہ پچھلے احسان تک بان پر آگئے اور جو کچھ باقی رہ گئے ہوں تو وہ بھی گن والو۔ تمہاری بیوی مر رہی تو اپنی موت سے جہل جو گئی تھیں۔ صورت شکل خاک نہ تھی۔ تہا ہی تہا تھا، جل جگر اور پٹ پٹ کر چلے ہیں۔ پس نے اُن کو کچھ کے نہیں دیئے، تم نے ان کو نہ ہر نہیں دیا۔ اُن کی موت کا احسان مجھ پر کیوں اور بدھوتی کا ذکر مجھ سے کیسا؟ ہاں میں تم کو دکھاؤں گی کہ زبان کی لان اور قرار کا پاس کیسا ہوتا ہے، میں محبت کی، عی ہوں۔ زبردست قربانی کروں گی اور وہ قربانی کہ دنیا واہ واہ اور عاقبت عش عش کرے، میں اُن بیوقوف لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو خودکشی کرتی ہیں۔ نہ تم جیسے اُن بزدل مردوں میں سے جو مرنے پر آمادہ ہوتے ہیں، مرے ہماری جوتی اور ٹپے ہمارا صدقہ۔ جان جائے تو اُن کی جن کی خواہش غلط جن کی درخواست بجا اور جن کا خیال کچا، نٹاس میاں! دنیا کلجک نہیں کر جگ ہو۔ اٹھو ملعون اچھی طرح جانتا ہے کہ میں تناس کی ہو چکی، اگلے برس جاڑوں میں جب یہ چرچا ہوا ہے تمہارا پرچہ اور میرے شامی کباب پکڑے گئے تو ایک دو نہیں، سارے محلہ اور کنبہ میں ڈنکے بج گیا۔ بیٹھ کی لات گھٹنوں تک۔ بہتیروں نے لعن طعن کی۔ مگر ان ہی میں ایمان کی بولنے والے اور انصاف کی کہنے والیاں بھی تھیں۔ میری زبان نہیں تو کیا کان تو موجود ہیں، بول نہ سکتی تھی مگر سنتی تھی، خالہ کو کیا اور اُن کے چچا سید نے صاف کہا۔ یا تمہا کہ جو ان بڑی کو بٹھا کر گھر میں کو اڑ کوٹ، چٹنا تو یہی رنگ لائے گا۔

میری تمہاری محبت چوری پھپھے نہیں۔ ڈھکی ڈھکائی نہیں۔ ایک دنیا جانتی ہے اور اس کم سخت اٹھھا کو سب سے زیادہ معلوم ہے۔ رقتے پر بے خط۔ پتھر کون سی چیز ہے جس کی اُسے خبر نہیں۔ ناگپور کے سترے اُس نے کھائے۔ مٹھرا کی پھلی اُس نے چکھی۔ ایسا ننھا نہیں۔ انا ہا نہیں۔ اب جو دیا وہ پاسے اور جو کیا وہ بھگتے۔

نارضا مندی کی شادی گڑیلوں کا کھیل بنی ٹھٹھا نہیں۔ میں اپنا فرض ادا کر چکی اور ایک دو دفعہ نہیں دس دفعہ بہنوں سے میں نے کہا۔ بھاو چل کو میں نے جتا دیا۔ حد یہ ہے کہ اما جان تک سے کئی دفعہ باتوں باتوں میں اور دو دفعہ صاف صاف کہہ چکی ہوں۔ اب تم بتاؤ ابا جان سے تو کہنے سے رہی۔ مگر اما جان خدا ان سے سمجھ وہ کالوں میں روٹی ٹھونس کے بیٹھی ہیں کہ خبر نہیں۔ وہ بھی مجبور ہیں۔ ہونی شدنی تقدیر کا لکھا کس سے ٹلا ہے جو اٹھما کا ٹلے گا۔ نثار اللہ کی نشا ہے اٹھما اور رفعت کا شوہر! تو بہ تو بہ.....

میں دنیا میں خواہ ہوں گی نہ خدا کی گنہگار، اپنا فرض ادا کر چکی۔ اب ہر شخص اپنے فعل کا نومہ دار ہے۔ رفعت قند نہیں کہ کوئی گھول کر پی جائے۔ حلوا نہیں کہ لپ لپ کھا جائے۔

ابید، بڑے بھائی جان کی تصویروں کی پوری بوزل، زہر قاتل، میرے قبضہ میں ہے اور یہ ہر اُس آنکھ کو جو نثار کے سوا رفعت کے سُن پر پڑے ختم۔ اور ہر اُس ہاتھ کو جو نثار کے سوا رفعت کو چھوئے موت کا مزا چکھا دے گی۔

اس ہر بچے کے پہنچے ہی اپنی خیریت سے مطلع کرو۔ صرف نثار کی رفعت

(۱۰)

شاہجہان آباد کے اس محلہ میں جو کسی وقت بہت بنگالی کٹرے کے نام سے مشہور تھا اور اب ہٹلن روڈ کہلاتا ہے۔ سردار نصرت علی خان تعلقہ دار اور نگ نگر کی کوٹھی میں امراء اور رؤسا زرق برق پوشا کوں میں جلوہ گر ہیں۔ زنانہ خانہ میں چوٹی کی بیگمیں اور چند بیویاں موجود۔ بچوں کی کچر دہان، نوکروں کا غل غپاڑہ، کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ برات کا انتظار ہے۔ سردار نصرت علی خان ہانوں کے استقبال کے واسطے خود دروازہ پر کھڑے ہیں۔ برات کے آتے ہی محلہ بھر گونج اٹھا۔ دولہا کی آبائی عزت اور خاندانی وجاہت لاکھ سردار صاحب کی ٹکر کی نہ ہو۔ مگر پھر بھی گوبگر چکا تھا۔ لیکن اٹھس کا باپ نواب نسیم اللہ خاں پونٹوں کا رئیس تھا۔ آدھے سے زیادہ تعلقہ دار برات کے ساتھ تھے۔ خاطر مدارات ہی میں دو گھنٹے سے زیادہ گزر گئے۔ نکاح کا وقت قریب آیا تو سردار صاحب کی ماں نے انہیں بلایا اور کہا۔

”میں تمہاری بچی کے معاملہ میں آج تک نہیں بولی، ماشاء اللہ تم خود غفامند اور دنیا کے سمجھنے والے ہو۔ مگر کئی دفعہ ہوئے اور ایک دو دفعہ تم سے بھی کہہ چکی تھی کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں۔ بہتیرا ہی تم کو شروع میں سمجھایا کہ دیکھو نصرت لڑکی ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے۔ خدا کے لئے ان مسوں اور میموں کا آنا بند کرو۔ مگر تم کو کچھ گھڑے کی چڑھی ہوئی تھی، کیا خاک سمجھتے، نتیجہ یہ ہوا کہ دن دوئی رات، چوٹی ہوئی گئی۔ اب نکاح کا وقت آگیا۔ شاہنشاہ اس ماں کو جو کانوں میں تیل ڈال کر بیٹھ گئی اور مسافرین پتہ پاپ کو کہ پلٹ کر پوچھا تاکہ نہیں کہ لڑکی کا اشارہ کیا ہے۔ اب سناؤ کہ چوٹی کا جوڑا اُس نے پھاڑ کر پتی پتی کر دیا اور ساڑھے تین ہزار کا کارچو بی مال مصالحوہ کر دیا کے دھم غارت ہو گا۔ اب! ما اور فائدہ دونوں کی دونوں ہاتھ پیر جوڑ رہی ہیں مگر لڑکی ٹس

مس نہیں ہوتی۔ بیٹا آج تک جو نہ ہونا تھا وہ اب ہو گا۔ یہ ہزاروں امیر رئیس احمد پور
 واسے شیخ جنہوں نے عمر بھر ناکیں رگڑیں کہ ہماری ایک لڑکی کی پالکی اپنے دروازہ
 پر اُتر والیں، مگر اپنا سامنہ لیکر چپ ہو گئے، اور تمہارے دادا اللہ بخشے وہ شخص جنکی
 تلوار سے خون ٹپکتا تھا مرتے مر گئے مگر احمد پور والوں کو بیٹی نہ دی۔ اب آج اُن کے
 سامنے ساری عزت آبرو پر پانی پھر گیا۔ جاؤ دیکھو بیٹی کی کیا حالت ہو اور وہ کیا کہہ رہی ہے
نصرت علی خاں ہیں دیکھ کر کیا کروں گا۔ ذرا ہوں کی تو دو ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ آپ
 خود جابیئے اور اس کو سمجھا دیجئے اگر اس وقت میری بات میں فرق آگیا تو نتیجہ اچھا نہ ہوگا
 مہافت پالکی میں ہوگی یا اُس کا جنازہ چبوترے پر۔

(۱۱)

”لیکن دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز مہافت جہاں اگر تم انکار کر دیتیں تو کیا
 یہ ممکن تھا کہ والدین بالآخر تمہارا نکاح کر دیتے، حقیقت تمہارا ہی احسان ہو کہ تم نے
 مجھ جیسے شخص کو جو تمہاری پاپوش کے بھی قابل نہیں یہ فخر عطا فرمایا۔ مجھ سے زیادہ خوش
 نصیب اس وقت کوئی متنفذ نہیں۔ بادشاہ اپنی سلطنت پر وہ ناز نہیں کر سکتا جو
 میں تم جیسی بیگم پر کر سکتا ہوں۔ تم نے مردہ کو زندہ کیا اور وہ شخص جو دم توڑ رہا تھا
 اپنی بیجائی سے اس میں جان ڈال دی۔“

رفعت پُشرفیوں کی بیٹیاں والدین کے سامنے کوئی رائے دینے کی مجاز نہیں
 وہ صرف حکم کی تعمیل کرنے والی ہیں۔ انہوں نے جو کچھ مناسب سمجھا وہ کیا۔ میرا کام ہی
 ہے کہ وہ کہیں اور ہیں کروں، آج سے میں بجائے اُن کے تمہاری فرمائیدار ہوں۔
 کیونکہ انہوں نے تمہارے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا۔“

اظہر اوہ اوہ! وہ بیگم کیا کہہ رہی ہو، تم فرمائیدار نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا
 کے واسطے مجھ کو شرمندہ نہ کرو۔ میں تمہارا غلام، تمہارے غلاموں کا غلام اللہ تھوڑا سا

دودھ پی لو۔

رفعت زنجیریں پی لیتی ہوں، مگر تم اپنے واسطے بھی تولے آؤ، تم پیو گے تو میں بھی پی لوں گی۔“

اظہرؒ اچھا میں اور لاتا ہوں، اور تمھارے سامنے پی لوں گا۔“

اظہرؒ دودھ لینے گیا تو رفعت نے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور دودھ میں ڈال کر خاموش بیٹھ گئی۔ دودھ آگیا اور اظہرؒ نے پھر درخواست کی۔ مگر جب رفعت نے کوئی جواب نہیں دیا تو دودھ رکھ کر اس طرح کہنے لگا۔

”اس میں شک نہیں کہ یہ دودھ تمھارے قابل نہیں لیکن مجھے اس سے زیادہ کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ تم اس میں سے دو گھونٹ پی لو۔“

رفعت کچھ دیر خاموش رہی۔ یہ کہہ کر اچھا، اگر تمھاری یہی خوشی ہے تو خیر پہلے تم پیو۔“ تازہ دودھ ہاتھ میں لیکر بیٹھ گئی۔ اظہرؒ نے پہلے کا دودھ پینا شروع کیا تو اس نے بھی آنسوؤں سے لگا لیا۔ اور جب تک وہ دوا ایک گھونٹ پئے۔ اظہرؒ تمام دودھ ختم کر چکا تھا۔

ایک منٹ بھی نہ گزرا تھا کہ چکر آیا اور گر پڑا۔

”بیگم! نہ معلوم دودھ میں کیا چیز تھی، کلیجہ کٹا جا رہا ہے!“

رفعتؒ اسے ہے۔ نوح، خدا نہ کرے، کیا کہہ رہے ہو!“

اظہرؒ ہائے کیا کروں کسی کو بلاؤ کہ ڈاکٹر کو لائے۔ آما جان کو جلد اطلاع دو۔ رفعتؒ ایسے بدحواس نہ ہو، دن بھر کے تھکے ہوئے ہو، گرمی کا موسم ہے سر چڑھا گیا ہو گا۔ ٹھیرو میں پنکھا بھلتی ہوں۔ اسے اللہ بخیر رحم کیجیو۔ میں تو پہلے ہی بدنام ہوں۔ اسے پاک بے نیاز میری آبرو تیرے ہاتھ ہے۔“

اظہرؒ ہائے مہ گیا۔ اتڑیاں سب کٹ گئیں ہائے..... ہائے

ہائے..... ہائے کسی حکیم یا.....“

رفعت، روکو! ”اچھی ذرا تو بہوش ہیں آؤ۔ اسے مولانا کا بال بیکا دیو۔ ان کی آئی مجھ کو آجائے۔ اسے اللہ میری شہرہ تیرے ہاتھ ہے۔ خدا کے لئے منہ سے تو بولو کچھ طبیعت ٹھیک ہوئی، ہائے مجھے تو پہلے ہی کھٹکا تھا کہ دیکھئے یہ دشمن کیا غضب کر رہے ہیں۔ اسے اللہ ہماری طرف دیکھ لے اللہ کا واسطہ آ کھد تو کھدلو“

تھے ہوئی اور جگر کے تھکنے کے تھکنے خون میں لت پت تل پڑے۔ غریب تڑپتا رہا اور آہستہ آہستہ کہتا رہا ”اما جان کو بلاؤ“ مگر ظالم نے اُس وقت تک نہ بلا یا جب تک نصیب اظہر کی زبان بند نہ ہوگئی۔ اب صرف اس کی آنکھیں کھلی تھیں تڑپ تڑپ کر روٹیں بل رہا تھا اور آہ نہ کر سکتا تھا تنے کی آواز سنکر ماوڑی ہوئی آئی۔ دیکھا تو دوٹھا بہوش پڑا چند ساعت کا جہان بڑا دلہن سر ہانے بیٹھی پنکھا جھلاتی دھاروں رو رہی ہے۔ لوگ ڈاکٹر اور حکیم کو دوڑے مگر کوئی بھی نہ آنے پایا کہ نارضا مندی کی شادی کا شوہر آغوش عروس کی بجائے دھان قبر میں چاہہنچا۔

مہرقان یہ روح لیکر عالم بالا کو گئے، مگر داروغہ نے یہ کہہ کر جھجک دیا۔ انسانی دنیا کا معمولی شعبہ! اس میں کیا رکھا ہے۔ اس سے نمایاں تو اس عورت ہی کی روح ہوگی جس نے اس روح کو جسہ خاکی سے جدا کیا۔ جاؤ۔ جاؤ۔ بہٹ جاؤ۔“

(۱۴)

چھٹی روح

”آج آٹھ برس ہونے آئے میرے پاورشل میرے پیر چور ہو گئے ہیں، آسمانی دنیا میں بھوک پیاس آرام تکلیف سب محفوظ تھا۔ ساری دنیا کی خاک چھان ڈالی۔ ہندوستان سے لے کر سمندر پار تک پھرا یا۔ مگر ہر کوشش بے سود ہے اب صرف اس عورت کی روح کی نکالیں ہوں جس کو داروغہ نے نمایاں بتایا ہے مگر وہ ہنسی کٹی موٹی تازی مزے سے جی رہی ہے

اگر تم اس کی روح قبض کر لو تو بہت بڑا احسان ہو۔“
ملک الموت۔ تو بھی جیب بولے گا بولگی۔ ارے بھائی خواجہ قبض کسی کی روح
 کر لو، اور اللہ میاں کے جوتے کون کھائے۔ میں یا تو؟“
مرقان۔ بھائی یہ کھوپڑی حاضر ہے۔ ایک کے بدلے میں مار لو۔ مگر اپنے یا رہو گے
 تو اس کی روح قبض کر لو گے۔“
ملک الموت۔ دیوانہ ہوا ہے۔ یہ میرے بس کا روگ نہیں تو ایک کام کر سنا گیا
 لے کر اس کو کسی چیز میں کھلا دے۔ روح میں قبض کر لوں گا۔“

(۱۳)

سرافعت جہاں!

تمہاری شادی کو ہفتہ بھر سے زیا دہ ہو چکا آج دسویں روز قلم لکھتی ہوا نظمیں لکھ رہا۔
 میری طرف سے وہ مرا تو اور زندہ ہے تو میرے بھانپوں تو وہ اور تم دونوں ہی مر گئے
 تم اب میرے کس مطلب کی اور میرا اب تم سے واسطہ کیا۔ تم نے اپنی طرف سے
 تو یقین دلانے میں کسر نہیں کی اور اس کو اب تک بھائی لکھ رہی ہو مگر بات وہ کہو جو
 عقل بین آجائے میں ایسا یو قوف نہیں کہ اتنی سی بات بھی نہ سمجھ سکوں۔ مجھ پر ان دنوں
 جو گذرتی تھی گزر گئی اور میری تقدیر کا جو صدر تھا وہ ہو چکا۔ اب مجھے تسکین ہے۔ میرا
 اپنے خیال میں تو تمہارے پھولوں۔ تب بھی فارغ ہو گیا۔ اب تمہارا خیال بھی میرے
 لئے باعث تکلیف ہے۔ اس کے بعد تھکے خط نہ بھیجنا اور آئندہ میرا خیال بھی نہ کرنا۔
 تمہاری ہی مہیبت کی وجہ سے میں شہر چھوڑ پر دیں جا رہا ہوں کہ تم اپنی یہ حمیتی
 سے میرا بچھا نہ چھوڑو گی اور جب تم نے اظہار جیسے شوہر کے ساتھ یہ سلوک کیا تو
 میں کیا توقع کر سکتا ہوں۔

شمار

(۱۴۷)

جوتے واسے کی دوکان پر شام کے وقت بیسیوں آدمی بوٹ، شوگر گابی پمپ، بیہ
ہیں قسم کا سامان دیکھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا: ”آپ کے ہاں سنکھیا ہوا“
جوتے والا: ”کیا چیز جناب؟“

مرقان: ”سنکھیا؟“

جوتے والا: ”منوں! کتنی لیجئے گا؟“

مرقان: ”ایک روح کے قابل“

جوتے والا: ”تشریف رکھئے۔ پھرے واسے ادھر آئیو۔ دیکھ آپ کیا مانگ رہے ہیں“

کاسٹیل: ”کیا چاہیئے تم کو؟“

مرقان: ”سنکھیا“

جوتے والا: ”فرماتے ہیں فقط ایک آدمی کے لائق؟“

کاسٹیل: ”کیوں صاحب؟“

مرقان: ”ہاں بس ایک روح کی“

کاسٹیل نے ہاتھ تھا مارا اور کوٹوالی میں جا کر پیش کیا۔ تھانہ دار موجود نہ تھے۔ محتر
نے لکھا پڑھی کر کے حوالات میں داخل کیا۔

مرقان: ”بھائی یہ کیا کرتے ہو۔ اس میں کیا ہے؟“

کاسٹیل: ”ابے اندر چل۔ نہیں ایک لات دیتا ہوں“

مرقان اس کی صورت دیکھ رہے تھے کہ کاسٹیل نے ایک لات رسید ہی کر دی

اور کہا: ”چل اندر۔ ابے دوسروں کی روح کی فکر میں ہو۔ پہلے تیری روح قبض ہوگی“

مرقان: ”آپ دنیوی ملک الموت ہیں؟“

کاسٹیل: ”دقت لگا کر“ اب دیکھ لیجیو“

مرقان ”ایک جگہ مصیبت آئی تو یہ نتیجہ ہوا۔ یہاں دیکھئے کیا ہوتا ہے مگر سنسکھیا کا کسی دوکاندار سے پوچھنا یا مول لینا کیا نا فرمانی ہے۔ واہ چچا ملک الموت اچھا مروایا“
 تھانہ دار نے آتے ہی آسامی کو یا ہر نکلوایا اور پوچھا کیا نام ہے بے تیرا“
 صرقان خاموش تھے کہ کیا نام بتائیں۔ صرقان کو صرف چند روحوں کی پرواز سے معاملہ پڑا تھا، اور صرف بیماریوں کے نام جانتے تھے، کہنے لگے ”میرا نام ہنخا“
 تھانہ دار نے بخار تو بغیر پٹے باز نہ آئے گا، ٹھیک نام بتا۔ دفعہ وار ذرا اس سے نام تو چھو“
 دفعہ دار نے میاں صرقان کے ایک نوٹھڑ دیا اور دو گھونسے، پھر پوچھا ”بتا کیا اصلی نام تھ“
مرقان ”..... رکھائی لکھیے“

اب تو تھانہ دار کو بھی غصہ آگیا اور مار مار سے ہنٹروں کے صرقان کی کھال اڑا دی۔
مرقان ”واہ آہ! ہے، ہوا، میرا نام سنسکھیا، ایتھر۔ ووزخ۔ آدمی“
 تھانہ دار تھک گیا، اور پھر حوالات کر دیا۔

ملک الموت اپنے دوست کو چاروں طرف ڈھونڈتے پھرتے تھے، یہاں آکر دیکھتے ہیں تو صرقان حوالات میں بیٹھے ہنٹر کی بدہیاں دیکھ رہے ہیں زور سے ایک فقہہ مارا اور کہا۔

”پیارے صرقان یہاں اڑے ہوئے ہو“

مرقان ”واہ بھائی اچھا پٹوایا“
ملک الموت ”اچھا تو باہر آؤ اور آئندہ سے کسی روح کی خواہش قبل از وقت نہ کرنا“

(۱۵)

سرافعت بیوہ ہونے کے بعد چہم سات سال تک ماں باپ کے ہاں مزے سے ہی نشاہ کی بیوفائی کا خیال رفتہ رفتہ دل سے زائل ہو گیا۔ امیر کی بھی تھی۔ روپیے نے اس کے عیب سب ڈھانک لئے اور ایک متمول رئیس سے شادی ہو گئی پندرہ ہیر

برس تک نہایت لطف و اطمینان سے زندگی بسر کرتی۔ سات آٹھ بچوں کی ماں بنی۔ بہو بن آئیں واما دائے۔ اور آخر کار بڑھاپا اور بڑھاپے کے ساتھ موت کا وقت بھی آن پہنچا۔ اب البتہ اس کو اپنے فعل پر ندامت تھی اور اس کا دل اس پر لامست کرتا تھا۔ رات دن اسی اڈ بیٹریں میں غرقاب رہتی تھی، شوہر بہوئیں بچے واما دسب و لجوئی کرتے مگر اس راز کا جاننے والا سوا اس کے اپنے دل کے کوئی نہ تھا۔ ایک تکلیف تھی جو کسی کروٹ چھین نہ دیتی تھی۔ ایک مصیبت تھی جس سے کوئی چھٹکارا نہ ملتا تھا۔ موت کا خیال آتے ہی تھرا اٹھتی اور جاتی تھی کہ اب وہاں چلنا ہے۔ جہاں فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔ جو رخسار بھول کی طرح تروتازہ تھے آج وہ جھڑیلوں کا ڈھیر ہیں، اور جو آنکھیں بجلیاں گراتی تھیں اب ان سے لگنگا جتنا رہی ہیں۔

وہ بوڑھا سا قبرِ رعنا کہ عالم جس پختوں تھا

خمیدہ ہوتے ہوتے رہ گیا پشتِ دوتا باقی

”گنتی کے چند سانس جو باقی رہ گئے ہیں پورے کر لوں اس کے بعد اہل آباد و غذا بک خرت ہوگا اور میں ہوں گا“

روزانہ بے کار اور ندامت بے سود تھی۔ یہ دن بھی گزر گئے اور پروازِ روح کا وقت بھی آن پہنچا۔ ڈریٹھا ہوا تھا نہ ہیبت طاری تھی۔ سکرات شروع ہوئی۔ دم کسی طرح نہ نکلتا تھا۔ تین دن تین رات اسی حالت میں پڑی رہی۔ اوپر والے بھی بیزار ہو گئے خدا خدا کر کے روح نکلی، تو مرقان خوشی خوشی لے داروغہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

داروغہ نے اس مظلوم شوہر کی روح سے یہ ظالم کچھ ہے تو سہی کہ اس کے اعمالنامے میں کوئی بات ملتی ہے مگر نہ ایسی کہ بیزار ہو جائے“

(۱۶)

ساتویں روح

جب قیصر کا وہ من جس کا سکہ کتبہ بھر میں بیٹھا ہوا تھا، ڈھلنا شروع ہوا تو احمد جس کی محنت شہر بھر میں مشہور تھی۔ طوطے کی طرح دیر سے پرلے لگا، دو چار دن کی آئی لگائی نہ تھی۔ نو برس کی گھڑتن برہنہ بیابانی تھی۔ پانچ بچوں کی ماں مگر تقدیر کی خبر نہ تھی کہ بڑا پے میں یوں ہٹی پلید ہوگی۔ سچ یہ ہے کہ اس کا انقلاب سن عبرت خیز تھا یا نہ تھا مگر تعجب انگیز ضرور تھا۔ کم بخت اٹھائیسویں سال بڑھیا ہو گئی۔ نزہ کی مڑھن تھی۔ دانتوں نے جڑیں چھوڑیں۔ سر دیکھو تو ٹیٹس کی ٹیٹس سفید بھک، اس پر پانچ بچوں کی پرورش ایک گود میں ایک پیٹ میں ایک سینہ پر، ایک ٹانگوں پر، غرض وہ مثل اصل ہو گئی کہ بیسی اور کھبسی۔ لیکن ساٹھا اور پانچاٹھ بھی غلط نہ نکلا، احمد بڑا پے میں جوان ہوا۔ ساٹھارہ برس بڑا تھا مگر آنکھیں کچھ اور ڈھونڈھتی تھیں۔ بیوی کو دیکھا تو وہ اللہ کی بندی آٹھ آنکھوں کیڑے نہ بدے، چار چار دن سر نہ گدھے۔ بچوں میں عزت اب کسی چیز کا ہوش نہ کسی شے کی خبر شروع شروع میں احمد نے اپنی طبیعت کا اظہار نہ کیا۔ مگر نو برس سا تھا ہی تھی۔ حادثوں سے آشنا، مزاج سے باخبر، تیور دیکھنے ہی پہچان گئی۔ مگر پی گئی۔ احمد جس نے نو برس تک مغرب کے بعد گھر سے باہر قدم نہ رکھا تھا اب دھڑلے سے بارہ بارہ اور دودو بیچے لات کو آتا اور پڑتا۔ گھر اس کو جیل خانہ، بچے اس کو زہر بیوی اس کو دشمن معلوم ہوتی!

قیصر اپنے فرائض کی ادائیگی میں کمی نہ کرتی۔ پتے سو جاتے۔ نگہبشی آگ اور کھانا لے بیٹھی رہتی جب مشہر آجاتا اس کو کھلا دیتی تو خود بھی پیٹ بھلیتی۔ احمد کی اس بے اتفاقی کا خیال دن بھر تو اس کو بچوں کی ریں ریں میں آہی نہ سکتا تھا۔ ہاں رات کو عالم تنہائی میں اکثر سوچتی تھی اور بالخصوص کھانا کھلاتے وقت جب سامنے بیٹھتی اس کا منہ تھتی اور

وہ بات تک نہ کرتا۔ تو دل ہی دل میں اتنا ضرور کہتی کہ کیا خدا کی شان ہے۔

قیحہا گری پڑی عورت نہ تھی اصل نسل سیدانی۔ راجہ کمال پور کی حقیقی بھانجی۔
اگر کمال پوری سید "الہی توبہ" اگر اڑتی سی خبر سن پاتے تو احمد کی ہٹکا بوٹی کر دیتے۔ مگر احمد
کی آنکھوں پر تو کچھ ایسی پٹی بندھی تھی کہ بالکل چراغ پاؤں ہی ہو گیا، تاک میں تو عرصہ
سے ہی تھا۔ اتفاق کی بات شہر میں ایک قحبہ آئی۔ چاروں طرف جال پھیلا یا بیچاں
احمد کو بھی خبر ملی، اُن کے پھانسنے کے بھی ڈورے ڈالے۔ جو بندہ یا بندہ ملاقات
کا وقت مقرر ہوا۔ اور رات کے نو بجے احمد اس قحبہ کے گھر پہنچے۔

جیسید جس کا نام بیگم تھا۔ چالیس برس سے کم عمر کی عورت نہ ہوگی۔ بزمگ گوارا تھا
مگر جھڑیاں پڑی ہوئی۔ بدن لاکھ کسا ہوا تھا مگر ڈھیلا پڑ چکا تھا سب سے بڑی جیتاں کا
اس چیز سے محروم ہونا تھا جو ہو بیٹیوں کو اولاد کی پیدائش اور سلامتی سے برابر کو دیتا جو۔
احمد پہنچے تو شترہ پردہ میں بیٹھی۔ مگر اس طرح کہ گورے رنگ کی جھکاح احمد
کی اندھی آنکھوں کو لوٹا لوٹ کر گئی۔

بیگم کے ماموں "نواب صاحب تقدیر" کی خبر نہیں ہوتی۔ بیگم جس کے دروازے پر دس
دس گھوڑے بندھے ہوئے تھے آج اس لائق ہے کہ آپ غیر مرد ہو کر اس سے بات کر رہے
ہیں، دروگر، دیکھئے خدا کیا دکھاتا ہے، میں اس وقت کے واسطے ہی زندہ رہ گیا تھا، ہم
کا بلی مغل ہیں۔ ہماری بیٹیاں آج تک سیدوں میں نہ گئیں، اور فقط یہی ایک فدا تھی
ورنہ ڈیڑھ لاکھ کا مہر نقد کمال پور والے باندھے رہے تھے۔"

احمد "ماموں صاحب" آپ کچھ نہ فرمائیے۔ دل کو تسکین دیجئے اللہ مالک ہے میں کسی
قابل نہیں ہوں، چار سو روپے ماہوار کی جائداد ہے یہ حاضر ہے۔

ماموں "ہاں جناب سچ ہے۔ دو ڈھائی ہزار پر نہ تھوکا۔ اب جو کچھ ہونا ہے وہ ہوگا ہم
تو یہاں اس لئے ٹھہر گئے تھے کہ ابراہیم علی شاہ کے مزار کی زیارت کر لیں۔ کل چلے

جائیں گے۔“

احمد کو تاب کہاں تھی۔ منت کی۔ خوشامد کی۔ ہاتھ جوڑے اور نیگہ بھیس ہزار مہر پر احمد کے نکاح میں آکر اس غلغلہ میں جو قیصر کے جہیز میں ملی تھی داخل ہو گئیں۔

معصوم بچے اس قابل نہ تھے کہ ہر نصیب ماں کو اس صدر میں کچھ درد دیتے کھانے کا انتظام بیگم کے سپرد ہوا، اور یہ چار سو روپے کی آمدنی جو قیصر کی ذاتی جائداد کی تھی بیگم کے ہاتھ میں جانے لگی، اگر نوٹوں کی ماماؤں کی طرح بھی بیگم ہاتھ اٹھا کر دیدیتی تو قیصر شریف بچی تھی صبر کرتی اور سہ لیتی۔ مگر اس کم سخت نے تو یہ غضب کیا کہ قیصر کی جانی دشمن ہو گئی۔ اور بچوں کے خون کی پیاسی۔

ایک روز کا ذکر ہے۔ احمد کے آنے سے پہلے سنگدل کلیجہ کے درد کا بہانہ کر کے پلنگ پر لیٹ رہی۔ احمد نے آکر دیکھا تو بے تاب ہو گیا۔ بہتیرا پوچھتا ہے مگر مکار خاک کچھ نہیں کہتی۔ بڑی شکل سے کہا۔

”اگر کے نام کی حرکت خالی نہیں خالی جاتی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ماموں جان میری جان کے دشمن ہیں اور مصیبت میں پھنسا رہے ہیں۔ ہر وقت کے تعویذ گنڈے ٹوٹے ٹوٹے! دیکھ لو۔ کلیجہ نکلا پڑ رہا ہے۔ اگر میں بچ گئی تو اتنا احسان کرنا کہ میسے بھجوا دینا۔ صبح ہی کو دہلیز میں سے کلیجی کی بوٹی پڑی ہوئی ملی ہے۔“

رات کے دس بج چکے تھے احمد غصہ میں باؤلا اور رنج میں پریشان ہو رہا تھا حکم دیا کہ قیصر ابھی اس گھر کو خالی کر صدر واسے مکان میں چلی جائے۔

رات آدھی کے قریب آگئی۔ تقاضے سخت ہوئے، نو برس کے بچے سے کہا اپنے آبا سے کہو ڈولی لاؤں۔“

احمد! اس وقت ڈولی نہیں مل سکتی، صدر کچھ دور نہیں ہو۔ بڑے میاں جا کر پہنچا دیں گے۔“

”تارے قدرت کے اس کھیل پر ہنس کر غائب ہو رہے تھے۔ دو بچے کے قریب

قیصر برقع اوڑھ بچوں کو گود میں اور ساتھ لے، تین کوس کے فاصلہ پر بھرا گھر چھوڑ چھا
روانہ ہو گئی۔

دن صاف نکل گیا، اور رات سر پہ پہنچی، مگر معصوم اور بنصیب بیوی کے
منہ میں کھیل کا دانہ اڑ کر نہ گیا مغرب کے وقت قیصر نے ایک چھلہ جو اکی نشانی تھا بڑے
بچہ نصیب کو جس کی عمر سات برس سے زیا وہ نہ ہو گی دیا اور کہا۔
”اس کو بیچ کر اٹھائے آؤ۔“

بچہ لے کر گیا۔ صرافوں کی دکان سے ناواقف تھا۔ چاروں طرف پھرا۔ مگر کوئی اٹھ
کا بندہ ایسا نہ ملا کہ اس کا کام کر دیتا۔ ایک ایک کا منہ حسرت سے دیکھتا اور تختہ سونے
کا چھلہ دیکھ کر ایک شخص کے منہ میں پانی بھر آیا۔ روپیہ اس کے ہاتھ پہ دہرا اور چھلے
چلتا ہوا۔ نصیب کو دیر ہوئی تو ماتا کی ماری دروازے میں آکر کھڑی ہوئی۔ دل میں ہزاروں
دہم آتے تھے۔ کبھی کہتی تھی کوئی پاڑ کرے گیا کبھی خیال آتا تھا کہ کسی نے گلا گھونٹ لیا
ہو گا۔ کلیجہ دکھڑو دکھڑو کر رہا تھا۔ فراسی آہٹ پر بے تابانہ دوڑتی تھی مگر پھر پلٹ آتی
تھی۔ نیا محلہ پہلا روز کس سے پوچھتی، کیلجے پہ گھونسنے مارے اور کہا۔
”اے کم سخت پیٹ کیا غضب کر دیا۔ کیا کروں کہاں جاؤں؟ پیٹ پکڑے
انگنائی میں آئی۔ اوپر دیکھتی اور کہتی۔

”اے مولایں قربان میرا بچہ صبح سلامت آجائے۔“

دس بچے کی توپ چل چکی تھی کہ نصیب آتا ہوا دکھائی دیا۔ دوڑ کر اس کی لہج میں
سے آٹے کی پوٹلی لی۔ اور گود میں اٹھا کر پیار کیا اور گھر میں لائی۔ جلدی جلدی آنا گوندا
بچے چار پہرے بھوکے تھے۔ روٹی کھلائی اور اللہ کا شکر کرتی ہوئی، سب کو کیلجے
لگا، زمین میں پڑ رہی۔

(۱۷)

”اس میں کیا ہرج ہے کہ اب تم مجھ کو میرے میکہ پہنچا دو؟“
 احمدا بیگم: قیصر اور اس کی تمام اولاد تم پر سے قربان کروں۔ تم کیوں ایسی باتیں
 کرتی ہو۔ تم کو میرے کہنے کا یقین نہیں ہے، جو کہ وہ کر کے دکھا دوں۔ میں خدا سے چاہتا
 ہوں کہ سب کے سب کم بخت مر جائیں، مگر غارت بھی تو نہیں ہوتے۔ تم کو۔ سب سے
 زیادہ تکلیف نصیر سے پہنچتی ہے میں اسی کم بخت کو دنیا سے کھودیتا ہوں؟
 اتنا کہہ کر احمد اٹھا اور سیدہا یہاں پہنچا۔ قیصر میاں کی صورت دیکھتے ہی سہم
 گئی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ گھر میں پان نہ تھے کہ بنا کر، حقہ نہ تھا کہ بھر کر اس کے سامنے
 رکھتی۔ بچے باپ کی صورت دیکھتے ہی لپٹ گئے۔ مدتوں کے ترسے ہوئے تھے
 عید ہو گئی۔ اچل کے ہاتھ میں حلوا تھا۔ نصیر کو کھلایا اور کچھ دیر بیٹھ کر چلنے لگا تو
 قیصر اٹھ کر سامنے آئی اور کہا۔

”مجھے تم سے شکایت نہیں۔ قدرت کے قانون یہی ہیں۔ میری صورت اس
 قابل نہیں رہی کہ تم کو اپنی طرف مائل کر سکتی۔ مگر اپنی عنایت سے اور کرم سے
 میرے قصور دل کو معاف کر دو؟“

اچل سنے اس کا جواب نہ دیا اور چلا گیا۔

رات کے بارہ بجے تھے کہ نصیر گھر آکر اٹھا، اور کہا۔

اماں جان ہائے کیا کروں میرے بیکھے میں کوئی پھریاں بھوک رہا ہے؟
 اٹھا کئی دست آئے۔ خون کی قے ہوئی اور ایک دو گھنٹے میں سات برس کا بچہ
 قیصر کے ہاتھوں میں تھا۔ ایک ڈھنڈا رگھر میں جہاں چاندیوں کے سوا دمی نہ آدم
 ترا، قیصر سات برس کے پہلو نشی کے بچے کو گود میں لے بیٹھی ہے! بچہ بیہوش
 پڑا ہے۔ آوازیں دیتی ہے چہیتی ہے۔ چلاتی ہے۔ ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر آنکھوں

سے لگاتی ہے اور کہتی ہے:

”اے کم بخت تقدیر، کیا دکھانا ہے۔ میری سات برس کی کمائی، میرا بچہ اور اس لال، میرے بچے کا کٹڑا، اے مولا میرا نصیب، میرا بچہ، میرا دوطہا، میرا چاند، اے مولا، اے مالک! اس سے پہلے بھٹکے موت، سب سو گئے، تو مستننا ہو سب چھوڑ گئے تو دیکھ رہا ہے۔ بے گناہ ہوں“

بہ نصیب کا بچہ اٹھا اور کہا۔

”ہاں اے ماں! بابا جان کا حلو اُڑوا تھا۔“

سننے ہی ایک گھونسا لگا۔ کہنے لگی۔

”ہائے فاکٹر کے ہاں کون لے جائے حکیم کو کون دکھائے۔ ہاتھ پاؤں نیلے ہو گئے۔ صدقے ہوں۔ قربان ہوں۔ آہ زندگی کیا دکھا رہی ہے؟“

اب بچہ پھر اٹھا مگر اٹھانہ گیا۔ چند لمحہ سر دھنا اور تڑپ تڑپ کر رخصت ہوا۔ چہرہ کو غصے سے دیکھا اور یہ کہہ کر (ایک جینج ماری۔

”ہاں میاں نصیب بہ نصیب ماں کا فاقہ بھی تڑوا گئے اور آٹالا کروٹی پیدا دی؟“

(۱۸)

قاضی۔ آپ فرمائیے آپ کی شہادت کیا ہے۔ کیا واقعی اس بچے کے قتل کا باعث یہی عورت ہے؟

احمدؒ بیشک یہ بچہ میری دوسری بیوی بیگم کا تھا۔ اس کم بخت قیصر نے جواب شرمیلی بنی، چادر سے منہ سر چھپائے کھڑی ہے اس کو زہر دیا، ہر وقت اس کو زکھلاتی رہتی تھی اور ہم سمجھتے تھے کہ محبت کرتی ہے۔ مگر کیا خبر تھی کہ یہ ایسا غضب ڈھائے گی۔ اس نے زہر دیا اور صرف اس لئے کہ سو کن کا بچہ تھا۔“

شوہر کی شہادت پر قاضی نے موت کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اور کاغذات بغرض

منظوری امیر کی خدمت میں پہنچا دیے گئے، تاہم مقررہ پر قیصر امیر کی خدمت میں پیش ہوئی۔

امیرؒ: کیا واقعی تو اس بچہ کی قاتل ہے؟

قیصرؒ: بیشک ہوں۔ اس لئے کہ میرے شوہر کا بیان ہے؟

امیرؒ: تو نے کیوں معصوم کو زہر دیا؟

قیصرؒ: اسی لئے، جو میرا شوہر کہتا ہے۔ کہ سو کن کا بچہ تھا؟

امیرؒ: کل تجھے پھانسی دی جائے گی۔ کوئی آخری آرزو ہے؟

قیصرؒ: گنہگار رہوں خدا کی، اور شوہر کی، خدا سے رات بھر التجا کروں گی کہ معاف کر دے شوہر سے آپ سفارش کیجئے کہ وہ مجھ سے ناخوش ہے۔ اس آخری وقت میں میرے قصوروں سے درگزر کرے؟

امیرؒ: تیری صورت پر رحم آتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ چھڑ دوں؟

قیصرؒ: میرا شوہر اس سے خوش نہ ہوگا۔ اس لئے میں بھی خوش نہیں ہوں؟

امیرؒ: اپنے ہاتھ سے مشکلیں کھول دیں اور کہا۔

”جا اپنے گھر جا۔ مجھے سب معلوم ہے۔“

قیصر اس رہائی سے زیادہ خوش نہ تھی۔ گھر پہنچی تو معلوم ہوا کہ اس کی حالت قید میں دوسرا بچہ عرفانی دنیا سے اٹھ گیا۔ اکراچی اور نصرت یہ دو بچے اس گھر میں پڑے پڑے رات کو صبح اور صبح کو شام کر دیتے۔ محلہ کے لوگ اُن کی حالت پر رحم کر کے دونوں وقت کھانا پہنچا دیتے تھے۔ نصرت پانچویں برس میں تھا اور اکراچی چوتھے برس میں۔ کیسا نازک وقت ہوگا کہ سنگدل باپ ایک شہر کے شہر دنیا بھر کے فرے اڑا رہا تھا اور یہ دو خدا کی زبردہ مخلوق معصوم جن کی بے گناہ ماں جیل خانہ میں تھی۔ ٹٹروں ٹٹوں اس گھر میں پڑے ہوئے تھے۔ ماں کی صورت دیکھتے ہی دڑ کر

لیٹے کیلچے سے لگایا روٹی۔ چائی پر لٹایا۔ آنسو نکلے۔ دونوں کو لے لے بیٹھی تھی کہ نصرت نے کہا۔

”اماں بی، عرفانی بھائی کو سفید سفید کپڑے پہنا کر سلا دیا اور کھٹو سے پر لٹا کر سے لگے۔ چلو اب اُن کو جگالادو“

بچے کو پیار کیا۔ کیلچہ نکل پڑا اور یہ کہہ کر بے ہوش ہو گئی۔

”عرفانی میاں قبیلہ ماں سے ملکر بھی نہ گئے! کیوں میاں خفا ہو گئے! ہاں ہاں اس لئے کہ باپ دادا کی ناک ماں نے کاٹ دی۔ ماں کی صورت نہ دیکھی! اچھا میاں اچھا سوؤ، بیٹا سوؤ، چٹکل میں سوؤ، آرام کرو ماں!“

بیگم کے دل میں قیصر کا کاشا ایسا گھسا تھا کہ کوئی لمحہ اس کے اُجاڑنے سے غافل نہ ہوتی۔ دن رات یہ تسبیح تھی اور رات دن یہی ذکر نہیں سیر گہریں اور تھیں سیر والے ماہوار بھیج دیا کرتی۔ مگر یہ بھی گوارا نہ تھا۔ ٹھیک دوپہر کا سناں وقت تھا کہ ایک روز بیگم پاکی میں سوار ہو کر قیصر کے ہاں آئی۔ بد نصیب قیصر کے پہلے کیا رکھا تھا۔ پھر بھی تعلیم کو اُٹھی اور یہ بچہ کہہ کہ احمد ناخوش نہ ہو جائے اس کو سلام کیا۔ احمد اس کے جلو میں حاضر تھا۔ نصرت سے کہا ”بیگم صاحب کو سلام کرو۔“

بچہ بچہ ہی تو تھا احمد! اگلی سلام نہ کیا۔ بیگم بولی۔

”دیکھو سانپ کے سپو لے ہی ہوں گے“

احمد کو کہاں تاب تھی میرا تھیں تھی پانچ سات ستر اتر ایسی ٹوکائیں کہ خون نکل آیا بیگم ہنستی رہی۔ قیصر نے اپنے کانوں میں انگلیاں دیکر آنکھیں بند کر لیں، جب یہ دونوں چلے گئے، تو دیکھا بچہ بیہوش پڑا ہے۔ روتی ہوئی آئی۔ زخموں پر منہ رکھ دیا اور کہنے لگی

”ایک بد نصیب ماں کے کارن باپ کی یہ مار بھی کھائی“

دیکھو راری کے گھر میں کپڑا کہاں تھا۔ دوپٹہ پہاڑ کر دھجیاں پانی میں بھگو بھگو کر اس کا

خون پونچھا اور کلیجے سے لٹکا کر پڑی۔

اب انتہائے مصائب نے قیصر کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ نصیر اور عرفانی کی موت یہی نہ تھی کہ قیصر شہلی ریتی۔ کلیجے میں گھونسنے لگتے۔ آنکھوں میں اندھیرا آتا۔ دل میں ہویکس اٹھتیں جنہیں مارتی اور دوازے پر چلی جاتی۔ پھر ٹوٹی بھرے کرتی۔ روتی کرگڑاتی اور دعا کرتی۔

”رحم اے مولا، رحم“

زندگی کی کل کائنات اور دنیا کا کل اثاثہ اب دو بچے اکرامی اور نصرت تھے ان کو دیکھتی اور روتی، رات کو جب دنیا عالم خواب میں ہوتی تو نصرت سے لپٹتی اور کہتی ”مجھے احمد کی کیا پرواہ ہے، اللہ میرے اس شوہر کی عمر دلا کرے۔ میرا شوہر تو یہ ہے اس کی دہن لاؤں گی، گھر والی بنوں گی۔ دکھیا ری کا لال ساری کسر نکال دے گا۔“ دفعۃً گھبرا جاتی اور سوچتی ”ہائے کیسے کیسے پھول ہری ہری کنٹیلین سامنے سے اٹھ گئیں۔ ٹوٹ گئیں، نصیر، عرفانی، دونوں ہائے دونوں کلیجہ اُجاڑ گئے، خیر الہی شکر، شکر“

ظالم کا ظلم اور سنگدل کی جفا کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی، گھبرا گئی اور سوچنے لگی کہ اب اطاعت کی حار ہو گئی۔ چچا اور ماموں دونوں زندہ بیٹھے ہیں۔ چلی جاؤں۔ مگر ساتھ ہی خیال آیا۔ نگہوں قیصر اسادات کے خون کا وہ بہر قیامت کے دن تیری گردن پر ہوگا۔ باپ دادا کی عزت تیرے ساتھ اور بڑوں کی لار تیرے پاس ہو۔ دنیا فانی۔ کواری کا عیش نہ رہا۔ بیابانی خوشی یہ ہے آباد ہے کہ نیز ہوں لونڈی ہوں جس طرح رکھا رہی اور جس طرح رکھے گا رہوں گی۔“ اکرامی کی طلبی کا حکم پہنچا۔ بہم گئی کہ وہ باپ جو ایک بچہ کو اپنے ظالم ہاتھوں سے نہر کے پتھکا۔ اس مہینا کی گردن توڑ دے گا۔ ارادہ کیا کہ انکار کر دے مگر پھر سوچا ”بچے اس کے ہیں میں کون ہوں۔ ماننا ہے ہو۔ مالک وہ۔ باپ وہ ہیں کون“ بچی کو نہلایا، دھلایا۔ پٹھے پرانے کپڑے جوڑ جاڑ۔ رنگ بندہ پہنا پہنچا تیار کیا۔ سامنے کھڑی ہوئی تو مہینا کہنے لگی۔

”بس تو آتا ہم جاتے ہیں لو پیا کر لو“

دل بگڑ رہا تھا۔ اتنا سنتے ہی بیتاب ہو گئی، گو دہیں اٹھالیا اور کہا

”اچھا بی بی چا خب۔ حافظ“

اکراہی کی داستان مصیبت نہایت جگر خراش ہو، ستم شکار بیگم جس کے پہلو میں دل نہیں پتھر تھا۔ انتہائے ظلم پانچ برس کی جان پر توڑتی، سالن کی بھری بھری پتیلیاں نئے نئے ہاتھوں سے اٹھا کر، اور آگ کی لبالب انگلیٹھیاں باورچی خانہ سے بھر کر داتی بارہ بارہ بجے رات تک بیگم کے پاؤں دہاتی اور نماز کے وقت اٹھا دی جاتی کہ آگ سٹنکا۔ یہ وہ وقت تھا کہ دو بچے مر کر اور ایک جیتے جی، قیصر سے چھوٹ چکے تھے اور پندرہ ایک بچہ نصبت گو دہیں رہ گیا تھا۔ رات کو ایک دن اتنے عرصہ بعد احمد کی بیوفا کی کا خیال آیا۔ دل سے کہنے لگی۔ انقلاب جس کی تین ذمہ دار نہیں ہوں قدرت کے انتظام یہی ہیں اور اگر عقل سلیم ہے تو ہر تغیر کا بار احمد کی گردن پر ہے۔ سمجھا رہا تھا تو قند کرنا، غور کرنا سمجھ جاتا۔ مگر ہائیں مجھے یہ کہنے کا کیا حق، وہ مالک ہے آقا ہے۔ شوہر ہے جو کیا خوب کیا، جو کر رہا ہے اچھا کر رہا ہے۔ اکراہی کی یاد کلیتہً ٹرپا رہی ہو۔ کیونکہ دیکھوں، پر نہیں اڑ کر جاؤں۔“

یہ پتہ ہم کو نہ چل سکا کہ اکراہی کی شہرست تھی یا قیصر کی بدبختی۔ بہر حال ہمارے سامنے کا واقعہ یہ ہے کہ اکراہی بخاریں ہلہلاتی ماں کے پاس بھیجی گئی۔ بچی کو مطلق ہوٹن نہ تھا۔ اور اب قیصر بھی اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ اس کو زیادہ احساس نہ تھا البتہ گم سم تھی۔ ایک خیال تھا کہ آتا تھا اور وہ یہ تھا کہ دیکھئے اکراہی کیا صورت دکھاتی ہو دن کے دو بجے ہوں گے، بچی نے آنکھ کھول کر ماں کو دیکھا بہت بنی بیٹھی تھی۔ اور ضبط کر رہی تھی۔ مگر مانتا نے کیلچے کو چیر ڈالا۔ چپٹ کر ہاتھ اٹھا گلے میں ڈال لئے۔ بچی نے پانی مانگا۔ لینے گئی تو پانی کی بوند ٹپکے ہیں نہ تھی، یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

”شکر ہے“

بچی رہنے والی نہ تھی ماں کی گود خالی کر گئی۔ یہ وہ موت تھی جس نے قیصر کے خیالات کو تبدیل کر دیا۔ رات کا آنا تھا کہ بچے کو گود میں لے کر باہر نکلی اور اچھل کی طرف چلی نکل پڑی تھی کہ ایک شخص رکھائی دیا جس کی صورت بالکل باپ کی تھی۔ اُس نے ڈانٹا اور کہا۔

”قیصر کیا غصہ کیا کرتی ہو، یہ بی بی سدا رہنے والی نہیں، باپ دادا کی پاک روئیں تیرے صبر و تحمل کو دیکھ رہی ہیں، جاگھ رہیں بیٹھے اور شکر کر۔ قیصر بابت جب ہے کہ شوہر کی اطاعت میں فرق نہ آئے، اور لطف یہ ہے کہ راضی بہ رضا اس سے رخصت ہو“

آدمی آنکھ سے اچھل ہو گیا۔ سہمی، ڈری، بچہ گود میں تھا۔ لوٹی اور گھر آئی، وضو کیا۔ نماز پڑھی لیٹی تو نصرت خاصا بھلا چنگا۔ ہمیشہ کی بندہ سوچکا تھا، ایک چنگ مارا کہیتی ہوئی گئی۔

”اللہ اللہ ایک بھی نہ رہا“

قیصر میں کچھ نہ تھا، روح نے عالم بالا کو پرواز کیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ خدا نے ہزاروں اربانوں اور سینوں سے بیگم کو بیٹا دیا۔ آج اکوہ کا چلہ تھا اور سینکڑوں روپے کی ریل پیل ہو رہی تھی۔ عرفان اس روح کو لے کر عالم بالا کو جا رہا تھا کہ عرفان سب سے اجازت لیکر قیصر ٹھنکی۔ ٹھیک اس وقت جب بیگم کی خدمت میں اچھل ورت بستہ حاضر تھا کہ آوازنی شروع ہوئی۔

ہو خضر کی غمراہی کو عطا ہشاش رہے دل شاد رہے
اس چندر کی جوت، اُتر دکن، یہ تیری سبھا آیا رہے
اکرم سے بڑوں کا نام چلے، اس لال سے لاکھ نہیں کھیڑے
سنسار میں دھوم اس لال کی ہو، اقبال کے ہوں درپردہ
بیگم سے ہیں، بیلین تیری، شکستہ چین کی ہیں ہر دم گھڑیاں
دن رات سماں یہ عیش کا ہو، دولت کی پٹریں تجھ پر جھڑیاں

گھٹھڑے کی ترسے شیرالونڈی، قدموں کی ترسے بھدو کی قبضہ
 اب تیرے دوارے آئی ہے کچھ، رحم کی اُس پر ہوئے نظر
 حق دار نہیں، بھکیا رہن ہوں منتی ہے مری کچھ زور نہیں
 پتا کے ہیں دوا پتھر میرے کچھ جھوٹ نہیں غل شور نہیں
 تنگی بھی رہی فاقے بھی کئے سب درد سے پتہ اُٹھ گئی
 چادر نہ ملی پنکھانہ جڑا سینہ بیت گئے جاٹا گرمی
 فاقوں پر پڑے فاقے پیہم اک دانہ صبح و شام نہ ہو
 عرفان کے دانت سے دانت بجیں گھر بھریں روٹی کا نام نہ ہو
 ہنریت کو ترستی اکرامی اس گود میں ماں کی دم توڑے
 صورت کو بھڑکتا عرفانی، ماقبہ میں ہو دنیا چھوڑے
 ماں باپ کی مجھ سے لاج گئی پردہ ٹوٹا وہ آن گئی
 آئی نہ زباں پر اُن لیکن سچ کہہ احمد افسران گئی
 لے ہاتھ اٹھا، رک پر کڑو، دے آج تصدق اکرم کا
 کچھ نیک نہیں کچھ جوگ نہیں بس صدق اُترن بیگم کا
 ہو یاد اگر نصرت پیارا، بی بردی سے تھا جس کو مارا
 بے گور و کفن ہے گھر میں پڑا کیا درد بھرا ہے نظارہ
 کیا کیا نہ ستم توڑے ہیں نے کیا کیا نہ غضب اور قہر کیا
 سادات کی لاج گنوا کے چلی ایک لال کو اپنے زہر دیا
 دنیا میں نہ تھا حامی کوئی شاہ پر اک قدرت والا
 اندھیا رہے کا کہن ہارا وہ نیشن والا عزت والا
 دربار بڑا سرکار بڑی بیگم کی حمایت، نے گا وہ

جن آنکھوں نے دیکھا حرف بحرف قیصر کی شہادت و گاہ
 جانے دو چلو سب ٹھیک سہی اس صبح کی آخر شام تو ہی
 قیصر کے کلبے کا ٹکڑا کہنے کو تھا رانا نام تو ہے
 ہے نام کی لاج ابھی باقی ٹھیری ہوں فقط اتنے کارن
 عزت پہ لگے گا دھتہ یہ گر اس کو ملا غیروں کا کفن
 وہ جان کی قیس لاکھوں ہی وہ قول و تہرا امیہ و اثر
 بچپن کی کہتا گزہن میں ہو گھونگٹ کے ہوں وعدے یاد اگر
 ان سب کے حوالے دیتی ہوں تو اتنی پتائیں لے میری
 اٹھو ادے مرا بچہ، احمد! لونڈی تیری چیری تیری
 لونڈی کا تری تجہ نصرت! معصوم کا مردہ ہے احمد
 بیدروں سے پٹا ہاتھوں سے کٹا مظلوم کا مردہ و احمد

قیصر کی صدا بیکار ہی، اچھا رخصت حافظ ہے خدا
 کہلاتی تھی بیوی، جیسی بھی تھی، کریماف مری اب ساری خطا
 تو دونوں جہاں میں شاد ہو، جاتی ہوں میں اب دل صاف کیا
 جو تو نے کیا وہ خوب کیا۔ آباد رہے سب معاف کیا
 راک جلوہ فسانی تھا احمد! بہتر نہ رہی بدتر نہ رہی
 وہ دن نہ رہے راتیں نہ رہیں بچے نہ رہے قیصر نہ رہی

خدا کے شروع ہوتے ہی شادی کے گھر میں جہاں کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی
 ایک سناٹا چھا گیا، احمد کھڑا تھڑکھڑکا نپ رہا تھا "قیصر نہ رہی" کہتے ہی صدا ختم ہو گئی۔

اور اس کے ساتھ محلہ والوں نے دونوں ماں بیٹوں کی خبر موت پہنچائی، بیوی کے ابتدائی حالات، اس کی مصیبتیں، اور صبر و تحمل، اپنا ظلم اس کی بے گناہی، سب باتیں یاد آگئیں، ٹرپتا ہوا اوپر گیا کہ کہیں نظر آجائے تو قصور معاف کراؤں۔ مگر کیا رکھا تھا، گھر آیا، تو نصرت چارپائی پر اور بٹی کے نیچے زمین پر قیصر کا جسدِ خاکی پڑا ہوا تھا۔ پھٹے ہوئے میلہ کچیلے کپڑے تھے۔ مگر چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔

صرفان لاکھ انسان نہ تھا مگر قیصر کی صدا نے دل بچھل دیا، پہنچا تو بات نہ نکلتی تھی۔ داروغہ نے دوسرے آفریں مرچا کی صدائیں قیصر کی پاک روح تک پہنچائیں اور صرفان سے کہا۔

”پیر روح بیشک وہ روح ہے جس پر نہ صرف انسانی دنیا ناز کر سکتی ہے، بلکہ کمال پورے کے سچ جس قدر فخر کریں کم ہے۔ اس سے پہلے کی چہرہ رو میں کہنے کو گندی تھیں۔ مگر تمہارا مطالعہ قابلِ داد ہے کہ ان سے بھی کام کی باتیں پیدا ہوئیں۔ پہلی دور رو میں دنیا والوں کو بتا رہی ہیں کہ خوفِ خدا سے لرزنے والے گنہگار، شقی القلب گندم نما جو فروش ریفارمروں سے بہتر ہیں۔“

تیسری اور چوتھی یعنی حسیدہ و مخیرہ کی رو میں سبق دے رہی ہیں کہ تعلیم کے نقص نے قدرت کی ایک ہی مخلوق میں کیسا فرق کر دیا۔ ناقص اور ادھوری تعلیم جو برائے نام تھی بالآخر حسیدہ کی بربادی کا باعث ہو گئی۔ چونکہ دنیا کے نشیب و فراز سے واقف نہ تھی، مگر رکے چل میں آگئی اور عصمت کھو بیٹھی۔ اگر تعلیم کا پورا انتظام ممکن نہ تھا تو اس کا بھونرے ہی میں پلٹا ٹھیک تھا۔ اس کے مقابلہ میں مخیرہ کا باوجودیکہ خود فریفتہ تھی مگر دنیا سے اچھی طرح باخبر اور نتیجہ سے پوری آشنا، جذبات کو دبا گئی اور ثابت کر دیا کہ اگر تعلیم اور صحیحیت خیالات کو درست کر دیں

تو عورت اس طرح اپنی خواہشوں کا خاتمہ کر سکتی ہے۔

پانچویں روج نارضا مندی کی شادی کا کھلا ہوا نتیجہ ہے، اور عورت ہے
اُن والدین کے واسطے جو یہ سمجھ کر کہ لڑکی یہاں خوش نہیں رہ سکتی دھکیل دیتے ہیں۔
چھٹی روج کے کارنامے کا ہر حرف یہ بتا دے رہا ہے کہ کسی مذموم فعل
کے ارتکاب کے بعد خود انسان کا اپنا نفس اس پر ہمیشہ ملامت کرتا ہے اور دنیا کی
کوئی خوشی اس جرم کی تلافی نہیں کر سکتی۔

یہ ساتویں وہ روج ہے جس کے واسطے آج جنت کے دروازے کھلے
ہوئے ہیں، سیدانی جس نے سادات کی لاج اور بزرگوں کی شان میں فرق نہ آنے
دیا اس میں ہمیشہ راج کرے گی۔

تمہارا قصور معاف ہوتا ہے جاؤ اور اس پاک روج کو جس کے تصدیق
میں تمہاری مغفرت ہوتی ہے اس باغیچہ میں چھوڑ دو جس کے دروازے پر لکھا ہوا

ہے۔

صلحت

نیکوئی و نیکیاں

یہ افسانہ نثریہ میں رسالہ خطیب میں شائع ہوئے ہیں کتابی صورت میں شائع ہوئے تھے حضرت
مصنف مرحوم کی زندگی میں یہ کتاب سات دفعہ چھپی تھی۔
نام اور مضمون اس کتاب کا نام اور مضمون پر پریکٹ کے علاوہ انڈین کاپی رائٹ ایکٹ اور مجموعہ
تغذیات ہند کی دفعات ۴۷۸، ۴۷۹ کے ماتحت بھی رجسٹرڈ کیا گیا ہے لہذا کوئی صاحب اس کتاب کو مضمون
سے فائدہ اٹھانے کا کبھی قصور نہ کریں ورنہ انہیں بہت برا خیال ہو جائے گا اور اخلاقی قانونی جرم
کے مرتکب ہوں گے۔

سپیشل
پبلشر

مصور علیہ الرحمۃ

مصور غم حضرت علامہ اشد الشک الخلیوی دغا انہیں کروٹا کروٹا جنت نصیب کرے، شاہجہاں آباد کے اُس مقتدر اور ممتاز خاندان کے فرزند رشید تھے جسے خاندان شاہان مغلیہ کے اُستاد ہونے کا۔

اسلاماً بعد اسلماً فخر حاصل رہا جس نے مولوی عید الخالق صاحب مرحوم مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم اور ہندوستان کے مشہور سحرالبیان مولوی عبد القویہ مغفور بانی جامع مسجد سہارنپور جیسے جید علماء اور قرآن و حدیث کے نامور ماہرین پیدا کئے۔ یہ اُبڑے دیا کرکا وہ نامور خاندان تھا جس کی بیٹیاں حافظہ عاجیہ قاریہ ام عطیۃ النساء مرحومہ (چھوٹی اُٹانی بی) اور عاجیہ احمد ذکیہ مرحومہ جیسی مشہور عالمہ فاضلہ خواتین اور جس کے داماد شمس العلماء مولوی نذیر حسین مرحوم "محدث دہلی" اور شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم جیسے بزرگ تھے۔ حضرت علامہ مفتوح مقام دہلی جنوری ۱۳۳۸ء میں پیدا ہوئے اور ابھی نو دس برس ہی کے تھے کہ ان کے والد ماجد مولوی حافظ عید الواحد صاحب نے حیدرآباد دکن میں جہاں وہ محکمہ بندوبست میں افسر علی تھے انتقال فرمایا۔ اور حضرت علامہ مرحوم کی تعلیم و تربیت ان کے دادا اور چچا حضرت مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم اور خان بہادر مولوی عبدالحامد صاحب مرحوم پٹی کلکٹر کی لگائی میں ہو گئی یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزی تعلیم کو مسلمان کفر سمجھ رہے تھے۔ اس لئے حضرت علامہ مفتوح نے اردو فارسی عربی وغیرہ گھر پر پڑی۔ پھر انگریزی تعلیم دہلی کے عربک اسکول میں ہوئی۔ مگر انھوں نے اپنے شوق سے اسے بہت کچھ ترقی دی۔ مولوی نذیر احمد مرحوم دجو علامہ مرحوم کے حقیقی چھو پاتھے، اور مولانا حالی مرحوم کی شاگردی نے علامہ مفتوح کی قابلیت کی ترقی میں چار چاند لگا دیئے۔ ابھی حضرت علامہ انٹرنس ہی میں تھے کہ ان کی ذہانت کا چرچا ہونے لگا۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولوی عید القویہ صاحب بانی جامع مسجد ہجر کی اکوٹی صاحبزادی سے جنوری ۱۳۴۸ء میں شادی ہوئی۔ اور ۱۳۵۰ء میں محکمہ بندوبست کے انگریزی دفتر میں ملازمت شروع کی۔ مگر ملازمت کی پابندی حضرت علامہ کی طبیعت کے خلاف تھی اور دفتر کے خشک کاموں میں جی نہ لگتا۔ پھر علامہ مرحوم کی والدہ مرحومہ اپنے اکلوتے بیٹے کی جذباتی زیا دہ روز کے لئے گوارہ نہ کر سکتی تھیں۔ ان وجوہ سے ہم کر ایک

ب

مجھ کو کڑی نہ کی۔ اور ترقی کے نہایت معقول مواقع میرے آنے پر ان کی طرف سے مطلق فوجہ نہ فرمائی، اور اناؤ، کبھری، میرٹھ، علیگڑھ، دہرہ دون کی تبدیلی رہی آخر دلی کے پوسٹل آڈٹ آفس میں تبدیل ہوئے مگر چھ سال گزرے تھے کہ ۱۹۱۹ء میں اٹھارہ ایس سال کی ملازمت سے استعفا دے دیا۔

حضرت علامہ راشد الخاوری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے پہلی تصنیف "حیات صالحہ" یا "صالحات" ہے جو ۱۹۰۵ء میں لکھی گئی ۱۹۰۹ء میں دوسری تصنیف "منازل السائک" ختم کی ان دونوں اصلاحی ناولوں کی اشاعت کے بعد حضرت علامہ مغفور کا شہرہ ایک مقبول پایہ مصنف کی حیثیت سے بلند ہونا شروع ہوا ۱۹۰۳ء سے رسالہ "مخزن" میں افسانے اور مضامین شائع ہونے لگے پھر "صبح زندگی" شائع ہوئی اور دلی کے اکمال ادیب کی طرز تحریر کی دلاویزی، زبان کی شیرینی، اور واقعات کے پیرایہ میں بیان کی درو انگیزی کی دھوم مچنے لگی ۱۹۰۶ء میں رسالہ "عصمت" جاری ہوا جو ۲۸ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے اور ہندوستان کا بہترین زنانہ پرچہ تسلیم کیا جاتا ہے ۱۹۱۱ء میں حقوق نسواں کی حمایت میں رسالہ "شملہ" جاری کیا۔ جو پانچ سال تک بڑی خوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا رہا ۱۹۱۱ء میں اخبار "اسپلی" جاری فرمایا مگر ۱۹۱۱ء میں دفتر عصمت میں قیامت کی آگ لگی اور "اسپلی" جاری نہ رہ سکا ۱۹۱۱ء میں "شام زندگی" شائع ہوئی اور اسے وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ پہلے ہی سال میں تین مرتبہ چھپی اور کتاب نے قوم سے حضرت علامہ مغفور کو مصور غم کا خطاب دلویا اب اردو کے بہترین مصنف نے تصانیف کا ڈھیر لگا دیا اور دو درجن کے قریب ضخیم کتابیں ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۳ء تک کے زمانہ میں لکھ ڈالیں، جو مختلف حضرات نے شائع کیں اور بقول مولانا ناچو "لاکھوں روپیہ پی کیا حضرت مصور غم نے اپنی تصانیف کی جو مقبولیت دیکھی شاید اردو کے کسی مصنف کو دیکھی نصیب نہ ہوئی۔ ایک دو نہیں درجنوں کتابیں آٹھ آٹھ دس دس سال کے عرصہ میں دس دس بارہ بارہ دفعہ چھپیں بلکہ "صبح زندگی" شام زندگی وغیرہ کے پندہ پندہ ہیں بیس ایڈیشن شائع ہوئے آخر دو کتابیں "اصلہ کالال" "سید کالال" بھی چار سال میں ہزار ہا کی تعداد میں پانچ قہر دفعہ چھپ کر ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔

۱۹۱۵ء میں پنجاب یونیورسٹی نے اردو کو رس علامہ مغفور سے "صبح کراے" ۱۹۲۱ء میں نیشنل یونیورسٹی نے سب سے پہلا اردو محقق مقرر کیا ۱۹۲۱ء میں حکومت بہار اور اتر پردیش نے شمالی ہند سے

ج

پیشیت ماہر اردو کے اردو ہندی کی ترقی کے سلسلے میں حضرت علامہ مرحوم سے بیش بہا مشورے لئے۔
 ۱۹۲۲ء میں مسلمان بچوں کے لئے تربیت کا بیانات قائم کی جس سے ہندوستان کے مختلف حصول
 کی سینکڑوں خوشحال اور یتیم و نادار بچیوں نے بحیثیت بورڈرز تعلیم و تربیت حاصل کی اور جس سے
 ہزاروں غریب کم استطاعت بچیاں زبورت تعلیم سے آراستہ ہوئیں اس مدرسہ کے لئے بیگم صاحبہ محترمہ
 کے ساتھ علامہ مخدوم یا وجود پیرا رسالی کے ہندوستان کے کسی صوبہ کا سال میں ہمیدہ سوا ہمیدہ کا دو
 فرمائے تھے مدرسہ کے کاموں میں محترمہ بیگم راشد انگری صاحبہ حضرت علامہ مرحوم کی پرلہبر کی شریک ہیں
 ۱۹۲۵ء میں مسلمان بچوں کے لئے دس سالہ بنیاد بنائی گئی تھی علامہ مخدوم کی فرمودہ بہو محترمہ
 خاتون آکھر کی باگداریں زمانہ دشکاری کا سالہ جو ہندوستان جاری رہا حضرت علامہ راشد انگری کی
 (خدا انہیں بغیر رحمت فرمائے) خودداری تھی آرمیوں یا اثر یا رسوخ لوگوں سے ملنے جلنے کو
 کبھی درست نہ سمجھتی تھی۔ نام و نحو و شہرت خود ستائی جلسوں اور بے نتیجہ تقریروں سے سخت نفرت تھی
 کسی جلسہ یا کسی تحریک میں حصہ نہ لیتے تھے حضرت مصدور غم نے خاموشی سے مسلسل چالیس سال تک
 تساہیت اور رسالوں کے ذریعہ خواہیں ہندو ادیب اردو کی جو بدست شاندار خدمات انجام دیں وہ
 اس قدر گراں بہا و عظیم الشان ہیں کہ شہزاد بیوں اور سہانیان قوم کا فیصلہ ہے کہ انکی نظیر نہیں مل سکتی۔
 اصلاح انہوں اور حقوق انہوں کیلئے حضرت علامہ راشد انگری علیہ الرحمۃ کی کوششیں کبھی خاموش
 نہ ہو سکیں گی مصدور غم ہی کی تحریروں سے عورتوں کی منظر و سمیت پر مردوں کے دل پیچھے مصدور غم ہی
 کے لڑچکی سے عورتوں کو اپنی اصلاح و ترقی کا احساس پیدا ہو گیا۔ اور گذشتہ تہائی صدی میں خواتین
 ہند میں جو نفوذی بہت بیداری پیدا ہوئی ہے منفقہ طور پر اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ اس میں بہت
 بڑا حصہ جنت نصیب حضرت علامہ راشد انگری کی آن فلک مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے حضرت
 مصدور غم علیہ الرحمۃ مشرق کے ہمیشہ جن نگار مصنف ہی نہ تھے۔ مزاحیرہ ضامین کہنے میں بھی کمال رکھتے
 تھے۔ ناو لکھتے بھی تھے، جرنلسٹ بھی، اردو کے پہلے مختصر افسانہ نگار تھے اور سورج بھی شاعر بھی تھے اور انشاء
 پرداز بھی مگر حیثیت میں مصلح اور انہوں کی جذبات کے ترجمان۔ انکی تحریک کی طرح انکی تقریروں اور
 لکچروں میں بھی خدا نے کچھ ایسا اثر اور آوازیں کچھ ایسا درد عطا فرمایا تھا کہ مجمع زار و قطار
 آئندہ بہا تھا حضرت علامہ مخدوم میں مذہبی عنصر بہت غالب تھا زمانہ شباب میں ملا مذہب کے
 فارسی شاعروں اور انگریزی مصنفین کا بھی مطالعہ فرمایا تھا، حافظہ حیرت انگیز تھا، موسیقی سے
 بہت دلچسپی تھی، انگریزی اور ہندوستانی بہت سے کھیل جانتے تھے، بدن کسرتی تھا، جسم دوہرا فائدہ لیا

چہرہ پر دلالت اور نور پرست تھا۔ خارجی زندگی انتہائی کامیاب اور دینیہ دالوں کے لئے جہیزیت سے قابل رشک تھی، بے نظیر بیٹے، لاجواب بھائی، سعادتمند داماد، بیٹیل شوہر، عاشق زار باپ اور بہترین دوست ہمیشہ شاداں و خنداں رہتے تھے۔ ان کی یادیں لطیفہ گوئی اور زندہ دلی ان کے مٹنے والے بھلائے سے بھی نہیں بھول سکتے۔ جن کی قابلیت کا چار کھونٹ ڈھکانج رہا تھا جن کی شہرت اس دور کے بڑے بڑے مصنفوں اور رہنماؤں کے لئے باعث رشک تھی جن کا نام عورت کے ساتھ جن کا ذکر محبت کے ساتھ کیا جاتا تھا، ان کی شرافت اور اخلاق سادگی اور وضع راری جہاں نوازی اور انسانی ہمدردی دیکھنے والوں کو بہت میں ڈال دیتی تھی۔ ان کی عاجزی اور انکساری کا پھر ثبوت کچھ معمولی نہیں کہ ۶۰ کے قریب کتابیں زندگی میں شائع ہو گئیں۔ لیکن کسی کتاب میں تصویر شائع نہ کرنے دی۔ کسی کتاب کو کسی کے نام منسوب نہ کیا۔ کسی کتاب میں کسی کی تقریظ نہ سمجھی۔ نین چار کتابوں میں دیا ہے بھی محبوب لکھے۔ ورنہ سوائے ٹائٹل پر نام آنے کے اپنا نام تک اپنی کتاب میں دوبارہ آنا پسند نہ فرمایا۔ صبر و شکر توکل و قناعت ہمیشہ شیوہ رہا۔ اپنی حالت میں بے انتہا خوش رہے۔ رحمانی مخلصانہ عملی ہمدردی بیوروں کی آگ میں کو پڑنا۔ دوسروں کے لئے سب کچھ لٹا دینا۔ ان مختصر خدمت خلق اللہ حاصل عمر تقابہ ۶ سال کی عمر تھی اور بظاہر صحت نہایت اچھی کہ دوبارہ بیماریاں نہ فروری کی محسوس صحت کو آخرت دیا رکے آخری باکمال مصنف کا سایہ قوم پر محبت کے سر سے اٹھ گیا۔ مصور غفر کی رحلت پر ہندوستان بھر کے پڑھے لکھے گھرانے میں کھرام مچ گیا۔ جگہ جگہ زنانہ اور مردانہ لالچی جلے ہوئے اور ہندوستان کے باہر ادب اردو کا ذوق رکھنے والا ہر شخص دم بخود ہو گیا۔ جس قدر رنج و غم میں ڈوبے ہوئے مضامین جتنے مرتے تو حے قطعات تاریخ مختصر جن قدر بلند یا یہ مانتی لکھو مصور غم کے انتقال پر شائع ہو گیا وہ اتنا زبردست ہے کہ بقول ایڈیٹر "ملت" کسی ادیب یا رہنما کی وفات پر اس وقت تک شائع نہ ہو سکا۔ آسمان کتنی ہی کروٹیں بدلتی زمین کتنی ہی چکر کاٹے۔ ہندوستان پر لے ہندوستان والے بدلیں معاشرت پر لے ادب بدلے لیکن مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری کو ہمیشہ عورت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ اور ان کا نام انہواری سلسلے خیر کے ساتھ لیتی رہیں گی۔ خدا کی بیشمار رحمتوں کے پھول اس مزار مبارک پر پھوٹیں۔

وہ بھی زندہ تصور ہے اور خدا جنت نعیم میں اس پاک روح کو پوری سکون عطا فرمائے۔ جیسا دلی سقا رہیں آٹھ اٹھ اٹھ اٹھ

سازق الخیری

۲۲ جولائی ۱۳۸۶ء

مصوّر غم حضرت علامہ راشد انجیری علیہ الرحمۃ کی تصنیف

۱۸	سراب مغرب	۱۸	گلدستہ عید	۱۸	آئینہ کالال
۱۸	در شہوار	۱۲	گر قنار قفس	۱۲	سیدہ کالال
۱۸	سات روح کے اعمال	۱۰	روداد قفس	۱۲	الزہرا
۱۸	قرآنی فقے	۶	انگوٹھی کا راز	۱۲	عروس کر بلا
۱۰	عروس مشرق	۵	تفسیر عصمت	۵	وداع خاتون
۱۰	بزم رفنگان (بالقصور)	۵	منظر طرابلس	۱۲	شنام زندگی
۱۲	گدھریا بین لال	۳	منازل ترقی	۱۲	صبح زندگی
۱۲	نالہ زار	۱۲	سیلاب اشک (بالقصور)	۱۲	نوحہ زندگی
۱۲	بے فکری کا آخری دن	۱۲	جوہر عصمت	۱۲	شب زندگی و وحسے
۱۵	سیاحت ہند	۱۰	ثانی عشو	۱۲	محبوبہ خداوند
۱۲	گرواب حیات	۱۲	طوفان اشک	۱۸	نسوانی زندگی
۱۸	داد و لال بھجلاؤ	۵	سودائے نقد	۱۲	طوفان حیات
۱۲	احکام نسوان	۶	ولایتی تھی	۱۲	حیات صالحہ
۱۲	محسن حقیقی	۱۸	بنیت الوقت	۱۲	تغہ شیطانی
۶	مسلی ہوئی بنیاں	۱۲	منازل السائرہ و حسے	۱۲	جوہر قدامت
۱۲	داستان پارینہ (بالقصور)	۱۲	بچہ کا کرتہ	۱۲	یا سمیع شام
۱۸	دعائیں	۱۲	ابن کا دم و البسین	۱۸	مژدہ
۱۲	چمنستان مغرب	۱۲	شہنشاہ کا فیصلہ	۱۲	غدر کی ماری شہزادیاں
۱۰	بہلی بیمار	۱۲	ویڈیا کی سرگزشت	۱۲	ستونہ
۶	یادگار تمدن	۱۸	فسانہ سعید	۱۸	قلب حزین
۱۲	وٹی کی آخری بہار	۱۲	چہار عالم	۱۲	وداع ظفر (بالقصور)
۱۲	حورا و انسان	۱۲	شہید مغرب	۱۲	نتیجہ کمال
۱۲	نشیب و فراز	۱۸	محصول ذاک بزمہ خسریدار	۱۸	بساط حیات

حضرت علامہ راشد انجیری کی تصنیف کے طلبکار ہیں ان کی تصنیف کے طلبکار ہیں ان کی تصنیف کے طلبکار ہیں


1. The first part of the paper discusses the importance of understanding the underlying structure of the data. This is particularly relevant in the context of machine learning, where the model's performance is heavily dependent on the quality of the input data. The authors argue that a thorough understanding of the data's distribution and the relationships between its features is essential for developing effective models.

2. The second part of the paper introduces a new method for analyzing the data. This method is based on the principle of maximum likelihood estimation, which allows for the estimation of the parameters of the underlying distribution. The authors demonstrate that this method is more robust than traditional methods, particularly in the presence of noise and outliers.

3. The third part of the paper presents the results of the analysis. The authors show that the new method is able to accurately estimate the parameters of the underlying distribution, even in the presence of significant noise. They also show that the method is able to identify the most important features of the data, which can be used to improve the performance of machine learning models.

4. The fourth part of the paper discusses the implications of the results. The authors argue that the new method has the potential to revolutionize the way we analyze data, particularly in the context of machine learning. They also discuss the limitations of the method and suggest areas for future research.

5. The fifth part of the paper concludes the paper. The authors summarize the main findings of the study and emphasize the importance of understanding the underlying structure of the data. They also thank the reviewers for their helpful comments and suggestions.

CALL No. { ۱۹۱۵۲۲۲۲ }  ACQ. NO. ۳۱۹۱

AUTHOR ۱۲ استاد محترم

TITLE سائنس و فطرت کے علمائے

	URDU SECTION	
THE BOOK MUST BE CHECKED AT THE TIME OF ISSUE		
	URDU SECTION	



MAULANA AZAD LIBRARY

ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES :-

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of **Re. 1-00** per volume per day shall be charged for text-book and **10 Paise** per volume per day for general books kept over-due.

